QuranUrdu.com

تفہیم القرآن

الزخرف

(۴۳)

QuranUrdu.com

الزُّخرُف

نام

آیت ۳۵ کے لفظ وَزُخرُفًا سے ماخوذ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ سورہ جس میں لفظ زُخرُف آیا ہے۔

زمانۂ نُزُول

کسی معتبر رِوایَت سے معلوم نہیں ہو سکا ہے، لیکن اس کے مضامین پر غور کرنے سے صاف محسوس ہوتا ہے کہ یہ سورہ بھی اُسی زمانے میں نازل ہوئی ہے جس میں المومن، حٰمٓ السجدہ اور الشُّوریٰ نازل ہوئیں۔ یہ ایک ہی سلسلے کی سورتیں معلوم ہوتی ہیں، جن کا نُزول اُس وقت سے شروع ہوا جب کفارِ مکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کے درپے ہو گئے تھے۔ شب و روز اپنی محفلوں میں بیٹھ بیٹھ کر مشورے کر رہے تھے کہ آپؐ کو کس طرح ختم کیا جائے، اور ایک حملہ آپؐ کی جان پر ہو بھی چکا تھا۔ اِس صورتِ حال کی طرف آیات ۷۹-۸۰ میں صاف اشارہ موجود ہے۔

موضوع اور مَباحِث

اس سورہ میں پورے زور کے ساتھ قریش اور اہلِ عرب کے اُن جاہلانہ عقائد و اوہام پر تنقید کی گئی ہے جن پر وہ اصرار کیے چلے جا رہے تھے، اور نہایت محکم و دل نشین طریقے سے ان کی نامعقولیت کا پردہ فاش کیا گیا ہے، تاکہ معاشرے کا ہر فرد، جس کے اندر کچھ بھی معقولیت موجود ہو، یہ سوچنے پر مجبور ہو جائے کہ آخر یہ کیسی جَہالتیں ہیں جن سے ہماری قوم بُری طرح چمٹی ہوئی ہے، اور جو شخص ہمیں اِن کے چکّر سے نکالنے کی کوشش کر رہا ہے اُس کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئی ہے۔

کلام کا آغاز اس طرح کیا گیا ہے کہ تم لوگ اپنی شرارتوں کے بَل پر یہ چاہتے ہو کہ اس کتاب کا نُزول روک دیا جائے، مگر اللہ نے کبھی اَشرار کی وجہ سے انبیاؑ کی بِعثَت اور کتابوں کی تنزیل نہیں روکی ہے، بلکہ اُن ظالموں کو ہلاک کر دیا ہے جو اُس کی ہدایت کا راستہ روک کر کھڑے ہوئے تھے۔ یہی کچھ وہ اب بھی کرے گا۔ آگے چل کر آیات ۴۱- ۴۳ اور ۷۹-۸۰ میں یہ مضمون پھر دُہرایا گیا ہے۔ جو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کے درپے تھے، اُن کو سناتے ہوئے حضورؐ سے فرمایا گیا ہے کہ تم خواہ زندہ رہو یا نہ رہو، ان ظالموں کو ہم سزا دے کر رہیں گے۔ اور خود اُن لوگوں کو صاف صاف مُتَنَبِّہ کر دیا گیا ہے کہ اگر تم نے ہمارے نبی کے خلاف ایک اقدام کا فیصلہ کر لیا ہے تو ہم بھی پھر ایک فیصلہ کُن قدم اٹھائیں گے۔

اِس کے بعد بتایا گیا ہے کہ وہ مذہب کیا ہے جسے یہ لوگ سینے سے لگائے ہوئے ہیں، اور وہ دلائل کیا ہیں جن کے بَل بُوتے پر یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کر رہے ہیں۔

خود مانتے ہیں کہ زمین و آسمان کا، اور اِن کا اپنا اور اِن کے معبُودوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

QuranUrdu.com

یہ بھی جانتے اور مانتے ہیں کہ جن نعمتوں سے یہ فائدہ اُٹھا رہے ہیں، وہ سب اللہ کی دی ہوئی ہیں۔ پھر بھی دوسروں کو اللہ کے ساتھ خدائی میں شریک کرنے پر اصرار کیے چلے جاتے ہیں۔

بندوں کو اللہ کی اولاد قرار دیتے ہیں، اور اولاد بھی بیٹیاں، جنھیں خود اپنے لیے ننگ و عار سمجھتے ہیں۔

فرشتوں کو انھوں نے دیویاں قرار دے رکھا ہے۔ اُن کے بت عورتوں کی شکل کے بنا رکھے ہیں۔ اُنھیں زنانہ کپڑے اور زیور پہناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ اُن کی عبادت کرتے ہیں اور انھی سے منتیں اور مرادیں مانگتے ہیں۔ آخر اِنھیں کیسے معلوم ہوا کہ فرشتے عورتیں ہیں؟

اِن جَہالتوں پر ٹوکا جاتا ہے تو تقدیر کا بہانہ پیش کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اگر اللہ ہمارے اس کام کو پسند نہ کرتا تو ہم کیسے اِن بتوں کی پرستش کر سکتے تھے۔ حالانکہ اللہ کی پسند اور ناپسند معلوم ہونے کا ذریعہ اُس کی کتابیں ہیں، نہ کہ وہ کام جو دنیا میں اس کی مَشِیَّت کے تحت ہو رہے ہیں۔ مَشِیَّت کے تحت تو ایک بت پرستی ہی نہیں، چوری، زِنا، ڈاکا، قتل، سب ہی کچھ ہو رہا ہے۔ کیا اِس دلیل سے ہر اُس بُرائی کو جائز و برحق قرار دیا جائے گا جو دنیا میں ہو رہی ہے؟

پوچھا جاتا ہے کہ اپنے اِس شرک کے لیے تمھارے پاس اِس غلط دلیل کے سوا کوئی اور سند بھی ہے، تو جواب دیتے ہیں کہ باپ دادا سے یہ کام یونہی ہوتا چلا آ رہا ہے۔ گویا اِن کے نزدیک کسی مذہب کے حق ہونے کے لیے یہ کافی دلیل ہے۔ حالانکہ ابراہیم علیہ السلام، جن کی اولاد ہونے پر ہی اِن کے سارے فخر و امتیاز کا مدار ہے، باپ دادا کے مذہب کو لات مار کر گھر سے نکل گئے تھے اور اُنھوں نے اسلاف کی ایسی اندھی تقلید کو ردّ کر دیا تھا جس کا ساتھ کوئی دلیلِ معقول نہ دیتی ہو، پھر اگر ان لوگوں کو اَسلاف کی تقلید ہی کرنی تھی تو اس کے لیے بھی اپنے بزرگ ترین اسلاف، ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کو چھوڑ کر اِنھوں نے اپنے جاہل ترین اسلاف کا انتخاب کیا!

اِن سے کہا جاتا ہے کہ کیا کبھی کسی نبی نے اور خدا کی طرف سے آئی ہوئی کسی کتاب نے بھی یہ تعلیم دی ہے کہ اللہ کے ساتھ دوسرے بھی عبادت کے مستحق ہیں، تو یہ عیسائیوں کے اِس فعل کو دلیل میں پیش کرتے ہیں کہ اُنھوں نے عیسیٰ ابنِ مریمؑ کو ابنُ اللہ مانا اور اُن کی پرستش کی۔ حالانکہ سوال یہ نہ تھا کہ کسی نبی کی اُمت نے شرک کیا ہے یا نہیں، بلکہ یہ تھا کہ خود کسی نبی نے شرک کی تعلیم دی ہے؟ عیسیٰ ابنِ مریمؑ نے کب کہا تھا کہ میں خدا کا بیٹا ہوں اور تم میری عبادت کرو۔ اُن کی اپنی تعلیم تو وہی تھی جو دنیا کے ہر نبی نے دی ہے، کہ میرا رب بھی اللہ ہے اور تمھارا رب بھی، اسی کی تم عبادت کرو۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت تسلیم کرنے میں انھیں تأمُّل ہے تو اِس بنا پر کہ ان کے پاس مال و دولت اور ریاست و وجاہت تو ہے ہی نہیں۔ کہتے ہیں کہ اگر خدا ہمارے ہاں کسی کو نبی بنانا چاہتا تو ہمارے

QuranUrdu.com

دونوں شہروں (مکہ و طائف) کے بڑے آدمیوں میں سے کسی کو بناتا۔ اِسی بنا پر فرعون نے بھی حضرت موسیٰؑ کو حقیر جانا تھا، اور کہا تھا کہ آسمان کا بادشاہ اگر مجھ زمین کے بادشاہ کے پاس کوئی ایلچی بھیجتا تو اسے سونے کے کنگن پہنا کر، فرشتوں کی ایک فوج اس کی اَرْدَلی میں دے کر بھیجتا، یہ فقیر کہاں سے آ کھڑا ہوا؟ فضیلت مجھے حاصل ہے کہ مصر کی بادشاہی میری ہے اور دریائے نیل کی نہریں میری ماتحتی میں چل رہی ہیں۔ یہ شخص میرے مقابلے میں کیا حیثیت رکھتا ہے کہ نہ مال رکھتا ہے نہ اقتدار۔

اِس طرح کفار کی ایک ایک جاہلانہ بات پر تنقید کرنے اور اس کے نہایت معقول و مُدَلّل جوابات دینے کے بعد آخر میں صاف صاف کہا گیا ہے کہ نہ خدا کی کوئی اولاد ہے، نہ آسمان و زمین کے خدا الگ الگ ہیں، نہ اللہ کے ہاں کوئی ایسا شفیع ہے جو جان بُوجھ کر گمراہی اختیار کرنے والوں کو اُس کی سزا سے بچا سکے۔ اللہ کی ذات اس سے مُنَزَّہ ہے کہ کوئی اس کی اولاد ہو۔ وہی اکیلا ساری کائنات کا خدا ہے، باقی سب اس کے بندے ہیں نہ کہ اس کے ساتھ خدائی صفات و اختیارات میں شریک۔ اور شَفاعت اس کے ہاں صرف وہی کر سکتے ہیں جو خود حق پرست ہوں، اور اُنھی کے لیے کر سکتے ہیں جنھوں نے دنیا میں حق پرستی اختیار کی ہو۔

QuranUrdu.com

۸۹ آیاتہا

سُوْرَةُ الزُّخْرُفِ مَكِّيَّةٌ

۷ رکوعاتہا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ۝۱ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝۲ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا
لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۳ وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝۴

ح م۔ قسم ہے اِس واضح کتاب کی کہ ہم نے اِسے عربی زبان کا قرآن بنایا ہے، تاکہ تم لوگ اِسے سمجھو[1]۔ اور درحقیقت یہ اُمّ الکتاب میں ثبت ہے[2]، ہمارے ہاں بڑی بلند مرتبہ اور حکمت سے لبریز کتاب[3]۔

---

۱ – قرآنِ مجید کی قسم جس بات پر کھائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اس کتاب کے مصنّف ''ہم'' ہیں، نہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور قسم کھانے کے لیے قرآن کی جس صفت کا انتخاب کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ یہ ''کتابِ مبین'' ہے۔ اس صفت کے ساتھ قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے پر خود قرآن کی قسم کھانا آپ سے آپ یہ معنٰی دے رہا ہے کہ لوگو! یہ کھلی کتاب تمھارے سامنے موجود ہے، اِسے آنکھیں کھول کر دیکھو، اِس کے صاف صاف غیر مُبہم مضامین، اِس کی زبان، اِس کا ادب، اِس کی حق و باطل کے درمیان ایک واضح خطِ امتیاز کھینچ دینے والی تعلیم، یہ ساری چیزیں اِس حقیقت کی صریح شہادت دے رہی ہیں کہ اِس کا مصنف خداوندِ عالَم کے سوا کوئی دوسرا ہو نہیں سکتا۔

پھر یہ جو فرمایا کہ ''ہم نے اسے عربی زبان کا قرآن بنایا ہے تاکہ تم اِسے سمجھو''، اس کے دو مطلب ہیں: ایک یہ کہ یہ کسی غیر زبان میں نہیں ہے، بلکہ تمھاری اپنی زبان میں ہے، اس لیے اسے جانچنے پرکھنے اور اس کی قدر و قیمت کا اندازہ کرنے میں تمھیں کوئی دِقّت پیش نہیں آسکتی۔ یہ کسی عجمی زبان میں ہوتا تو تم یہ عذر کر سکتے تھے کہ ہم اس کے کلامِ الٰہی ہونے یا نہ ہونے کی جانچ کیسے کریں، جب کہ ہماری سمجھ ہی میں یہ نہیں آرہا ہے۔ لیکن اِس عربی قرآن کے متعلق تم یہ عذر کیسے کر سکتے ہو۔ اس کا ایک ایک لفظ تمھارے لیے واضح ہے۔ اس کی ہر عبارت اپنی زبان اور اپنے مضمون، دونوں کے لحاظ سے تم پر روشن ہے۔ خود دیکھ لو کہ کیا یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یا کسی دوسرے عرب کا کلام ہو سکتا ہے۔ دوسرا مطلب اس ارشاد کا یہ ہے کہ اس کتاب کی زبان ہم نے عربی اس لیے رکھی ہے کہ ہم عرب قوم کو مخاطَب کر رہے ہیں، اور وہ عربی زبان کے قرآن ہی کو سمجھ سکتی ہے۔ عربی میں قرآن نازل کرنے کی اِس صریح معقول وجہ کو نظر انداز کر کے جو شخص صرف اس بنا پر اِسے کلامِ الٰہی کے بجائے کلامِ محمدؐ قرار دیتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مادری زبان بھی عَرَبی ہے تو وہ بڑی زیادتی کرتا ہے۔ (اِس دوسرے مطلب کو سمجھنے کے لیے تفہیم القرآن، جلد چہارم، سورۂ حٰمٓ السجدہ، آیت ۴۴ مع حاشیہ نمبر ۵۴ مُلاحظہ فرمائیں۔)

۲ – ''اُمّ الکتاب'' سے مراد ہے: ''اصل الکتاب''، یعنی وہ کتاب جس سے تمام انبیاؑ پر نازل ہونے والی کتابیں

QuranUrdu.com

اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ۝۵
وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ ۝۶ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ

اب کیا ہم تم سے بیزار ہو کر یہ درسِ نصیحت تمھارے ہاں بھیجنا چھوڑ دیں، صرف اِس لیے کہ تم حد سے گزرے ہوئے لوگ ہو؟ پہلے گزری ہوئی قوموں میں بھی بارہا ہم نے نبی بھیجے ہیں۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی

ماخوذ ہیں۔ اِسی کو سورۂ واقعہ میں كِتٰبٌ مَّكْنُوْنٌ (پوشیدہ اور محفوظ کتاب) کہا گیا ہے اور سورۂ بُروج میں اس کے لیے لوحِ محفوظ کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں، یعنی ایسی لوح جس کا لکھا مٹ نہیں سکتا اور جو ہر قسم کی دَراندازی سے محفوظ ہے۔ قرآن کے متعلق یہ فرما کر کہ یہ ''اُمّ الکتاب'' میں ہے، ایک اہم حقیقت پر مُتَنَبِّہ فرمایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مختلف زمانوں میں مختلف ملکوں اور قوموں کی ہِدایت کے لیے مختلف انبیاؑ پر مختلف زبانوں میں کتابیں نازل ہوتی رہی ہیں، مگر اُن سب میں دعوت ایک ہی عقیدے کی طرف دی گئی ہے، حق ایک ہی سچائی کو قرار دیا گیا ہے، خیر و شر کا ایک ہی معیار پیش کیا گیا ہے، اخلاق و تہذیب کے یکساں اُصول بیان کیے گئے ہیں، اور فی الجملہ ایک ہی دین ہے جسے یہ سب کتابیں لے کر آئی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان سب کی اصل ایک ہے اور صرف عبارتیں مختلف ہیں۔ ایک ہی معنٰی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک بنیادی کتاب میں ثبت ہیں، اور جب کبھی ضرورت پیش آئی ہے، اس نے کسی نبی کو مبعوث کر کے وہ معنٰی حال اور موقع کی مناسبت سے ایک خاص عبارت اور خاص زبان میں نازل فرما دیے ہیں۔ اگر بالفرض اللہ تعالیٰ کا فیصلہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب کے بجائے کسی اور قوم میں پیدا کرنے کا ہوتا تو یہی قرآن وہ حضورؐ پر اُسی قوم کی زبان میں نازل کرتا۔ اُس میں بات اُسی قوم اور ملک کے حالات کے لحاظ سے کی جاتی، عبارتیں کچھ اور ہوتیں زبان بھی دوسری ہوتی، لیکن بنیادی طور پر تعلیم و ہِدایت یہی ہوتی، اور وہ یہی قرآن ہوتا، اگرچہ قرآنِ عربی نہ ہوتا۔ اسی مضمون کو سورۂ شُعَراء میں یوں ادا کیا گیا ہے: وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ..... بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ۝ وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ (۱۹۲-۱۹۶) ''یہ رب العالمین کی نازل کردہ کتاب ہے..... صاف صاف عَرَبی زبان میں اور یہ اگلے لوگوں کی کتابوں میں بھی موجود ہے۔'' (تشریح کے لیے مُلاحظہ ہو: تفہیم القرآن، جلد سوم، الشعراء، حواشی ۱۱۹-۱۲۱)

۳- اس فقرے کا تعلق کتابِ مُبین سے بھی ہے اور اُمّ الکتاب سے بھی۔ یعنی یہ تعریف قرآن کی بھی ہے اور اُس اصل کتاب کی بھی جس سے قرآن منقول یا ماخوذ ہے۔ اِس تعریف سے یہ بات ذہن نشین کرنی مقصود ہے کہ کوئی شخص اپنی نادانی سے اِس کتاب کی قدر و منزلت نہ پہچانے اور اس کی حکیمانہ تعلیم سے فائدہ نہ اُٹھائے تو یہ اُس کی اپنی بدقسمتی ہے۔ کوئی اگر اس کی حیثیت کو گرانے کی کوشش کرے اور اس کی باتوں میں کیڑے ڈالے تو یہ اس کی اپنی رذالت ہے۔ کسی کی ناقدری سے یہ بے قدر نہیں ہو سکتی اور کسی کے خاک ڈالنے سے اِس کی حکمت چُھپ نہیں سکتی۔ یہ تو بجائے خود ایک بلند مرتبہ کتاب ہے جسے اُس کی بے نظیر تعلیم اُس کی معجزانہ بلاغت اُس کی بے عیب حکمت اور اُس کے عالی شان مصنف کی شخصیت نے بلند کیا ہے۔ یہ کسی کے گرائے کیسے گر جائے گی۔ آگے چل کر آیت ۴۴ میں قُریش کو خاص طور پر اور اہلِ عرب کو بالعُموم یہ بتایا گیا ہے کہ جس کتاب کی تم اِس طرح

QuranUrdu.com

نَّبِیٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۷ فَاَهْلَكْنَاۤ اَشَدَّ مِنْهُمْ
بَطْشًا وَّ مَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِیْنَ ۝۸ وَ لَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ
السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ لَیَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِیْزُ الْعَلِیْمُ ۝۹ۙ
الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ فِیْهَا سُبُلًا

نبی ان کے ہاں آیا ہو اور انھوں نے اس کا مذاق نہ اڑایا ہو۔[۵] پھر جو لوگ ان سے بدرجہا زیادہ طاقتور تھے، انھیں ہم نے ہلاک کر دیا، پچھلی قوموں کی مثالیں گزر چکی ہیں[۶]۔

اگر تم اِن لوگوں سے پُوچھو کہ زمین اور آسمانوں کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہ خود کہیں گے کہ انھیں اُسی زبردست علیم ہستی نے پیدا کیا ہے۔ وہی ناجس نے تمھارے لیے اس زمین کو گہوارہ بنایا[۷] اور اس میں تمھاری خاطر راستے

ناقدری کر رہے ہو، اُس کے نُزول نے تم کو ایک بہت بڑے شَرَف کا موقع عطا کیا ہے، جسے اگر تم نے کھو دیا تو خدا کے سامنے تمھیں سخت جواب دِہی کرنی ہوگی۔ (مُلاحظہ ہو: حاشیہ ۳۹)

۴ – اِس ایک فقرے میں وہ پوری داستان سمیٹ دی گئی ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوت کے وقت سے لے کر اِن آیات کے نُزول تک پچھلے چند برس میں ہو گزری تھی۔ یہ فقرہ ہمارے سامنے یہ تصویر کھینچتا ہے کہ ایک قوم صدیوں سے سخت جَہالت، پستی اور بدحالی میں مبتلا ہے۔ یکایک اللہ تعالیٰ کی نظرِ عنایت اُس پر ہوتی ہے۔ وہ اس کے اندر ایک بہترین رہنما اٹھاتا ہے اور اُسے جَہالت کی تاریکیوں سے نکالنے کے لیے خود اپنا کلام نازل کرتا ہے، تاکہ وہ غفلت سے بیدار ہو، جاہلانہ اَوہام کے چکر سے نکلے، اور حقیقت سے آگاہ ہو کر زندگی کا صحیح راستہ اختیار کر لے۔ مگر اُس قوم کے نادان لوگ اور اس کے خود غرض قبائلی سردار اُس رہنما کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ جاتے ہیں اور اُسے ناکام کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں۔ جوں جوں سال پر سال گزرتے جاتے ہیں، ان کی عداوت اور شرارت بڑھتی چلی جاتی ہے، یہاں تک کہ وہ اُسے قتل کر دینے کی ٹھان لیتے ہیں۔ اِس حالت میں ارشاد ہو رہا ہے کہ کیا تمھاری اس نالائقی کی وجہ سے ہم تمھاری اصلاح کی کوشش چھوڑ دیں؟ اِس درسِ نصیحت کا سلسلہ روک دیں؟ اور تمھیں اُسی پستی میں پڑا رہنے دیں جس میں تم صدیوں سے گرے ہوئے ہو؟ کیا تمھارے نزدیک واقعی ہماری رحمت کا تقاضا یہی ہونا چاہیے؟ تم نے کچھ سوچا بھی کہ خدا کے فضل کو ٹھکرانا اور حق سامنے آ جانے کے بعد باطل پر اصرار کرنا تمھیں کس انجام سے دوچار کرے گا؟

۵ – یعنی یہ بے ہودگی اگر نبی اور کتاب کے بھیجنے میں مانع ہوتی تو کسی قوم میں بھی کوئی نبی نہ آتا، نہ کوئی کتاب بھیجی جاتی۔

QuranUrdu.com

لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝١٠ وَالَّذِیْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ

بنا دیے،[8] تا کہ تم اپنی منزلِ مقصود کی راہ پا سکو۔[9] جس نے ایک خاص مقدار میں آسمان سے پانی اُتارا[10]

۶ — یعنی خاص لوگوں کی بے ہودگی کا نتیجہ یہ کبھی نہیں ہوا کہ پوری نوعِ انسانی کو نبوت اور کتاب کی رہنمائی سے محروم کر دیا جاتا، بلکہ اِس کا نتیجہ ہمیشہ یہی ہوا ہے کہ جو لوگ باطل پرستی کے نشے اور اپنی قوت کے گھمنڈ میں بدمست ہو کر انبیاؑ کا مذاق اُڑانے سے باز نہ آئے انھیں آخرِ کار تباہ کر دیا گیا۔ پھر جب اللہ کا قہر ٹوٹ پڑا تو جس قوت کے بَل پر یہ قریش کے چھوٹے چھوٹے سردار اکڑ رہے ہیں، اُس سے ہزاروں گُنی زیادہ طاقت رکھنے والے بھی مچھّر اور پِسّو کی طرح مَسل کر رکھ دیے گئے۔

۷ — دوسرے مَقامات پر تو زمین کو فرش سے تعبیر کیا گیا ہے، مگر یہاں اس کے لیے گہوارے کا لفظ استعمال فرمایا گیا ہے۔ یعنی جس طرح ایک بچّہ اپنے پنگھوڑے میں آرام سے لیٹا ہوتا ہے، ایسے آرام کی جگہ تمھارے لیے اِس عظیم الشان کُرے کو بنا دیا جو فضا میں معلّق ہے، جو ایک ہزار میل فی گھنٹا کی رفتار سے اپنے مِحْوَر پر گھوم رہا ہے۔ جو ۶۶۶۰۰ میل فی گھنٹا کی رفتار سے رواں دواں ہے۔ جس کے پیٹ میں وہ آگ بھری ہے کہ پتھروں کو پگھلا دیتی ہے اور آتش فشانوں کی شکل میں لاوا اُگل کر کبھی کبھی تمھیں بھی اپنی شان دکھا دیتی ہے۔ مگر اِس کے باوجود تمھارے خالق نے اسے اتنا پُرسکون بنا دیا ہے کہ تم آرام سے اس پر سوتے ہو اور تمھیں ذرا جھٹکا تک نہیں لگتا۔ تم اس پر رہتے ہو اور تمھیں یہ محسوس تک نہیں ہوتا کہ یہ کُرہ معلّق ہے اور تم اس پر سر کے بل لٹکے ہوئے ہو۔ تم اطمینان سے اُس پر چلتے پھرتے ہو اور تمھیں یہ خیال تک نہیں آتا کہ تم بندوق کی گولی سے بھی زیادہ تیز رفتار گاڑی پر سوار ہو۔ بے تکلف اُسے کھودتے ہو، اُس کا سینہ چیرتے ہو، طرح طرح سے اُس کو پیٹ کر اپنا رزق اُس سے وصول کرتے ہو، حالانکہ اس کی ایک معمولی سی جھرجھری کبھی زلزلے کی شکل میں آ کر تمھیں خبر دے دیتی ہے کہ یہ کس بلا کا خوفناک دیو ہے جسے اللہ نے تمھارے لیے مُسخّر کر رکھا ہے۔ (مزید تشریح کے لیے مُلاحظہ ہو: تفہیم القرآن، جلد سوم، النمل، حواشی ۷۴-۷۵)

۸ — پہاڑوں کے بیچ بیچ میں دَرّے، اور پھر کوہستانی اور میدانی علاقوں میں دریا وہ قُدرَتی راستے ہیں جو اللہ نے زمین کی پشت پر بنا دیے ہیں۔ انسان انھی کی مدد سے کُرۂ زمین پر پھیلا ہے۔ اگر پہاڑی سلسلوں کو کسی شگاف کے بغیر بالکل ٹھوس دیوار کی شکل میں کھڑا کر دیا جاتا اور زمین میں کہیں دریا، ندیاں، نالے نہ ہوتے تو آدمی جہاں پیدا ہوا تھا، اسی علاقے میں مُقَیّد ہو کر رہ جاتا۔ پھر اللہ نے مزید فضل یہ فرمایا کہ تمام رُوئے زمین کو یکساں بنا کر نہیں رکھ دیا، بلکہ اس میں قسم قسم کے ایسے امتیازی نشانات (land marks) قائم کر دیے جن کی مدد سے انسان مختلف علاقوں کو پہچانتا ہے اور ایک علاقے اور دوسرے علاقے کا فرق محسوس کرتا ہے۔ یہ دوسرا اہم ذریعہ ہے جس کی بدولت انسان کے لیے زمین میں نقل و حرکت آسان ہوئی۔ اس نعمت کی قدر آدمی کو اس وقت معلوم ہوتی ہے جب اسے کسی لَق و دَق صحرا میں جانے کا اتفاق ہوتا ہے، جہاں سیکڑوں میل تک زمین ہر قسم کے امتیازی نشانات سے خالی ہوتی ہے اور آدمی کو کچھ پتا نہیں چلتا کہ وہ کہاں سے کہاں پہنچا ہے اور آگے کدھر جائے۔

۹ — یہ فقرہ بیک وقت دو معنیٰ دے رہا ہے: ایک معنیٰ یہ کہ تم اِن قدرتی راستوں اور ان نشاناتِ راہ کی مدد سے اپنا راستہ معلوم کر سکو اور اس جگہ تک پہنچ سکو جہاں جانا چاہتے ہو۔ دوسرے معنیٰ یہ کہ اللہ جَلّ شانُہٗ کی اس کاریگری کو دیکھ کر تم ہدایت حاصل کر سکو،

QuranUrdu.com

فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَالَّذِيْ
خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا

اور اس کے ذریعے سے مُردہ زمین کو جِلا اُٹھایا، اِسی طرح ایک روز تم زمین سے برآمد کیے جاؤ گے۔[11] وہی جس نے یہ تمام جوڑے پیدا کیے،[12] اور جس نے تمھارے لیے کشتیوں اور جانوروں کو سواری بنایا، تاکہ تم

حقیقتِ نفس الامری کو پا سکو، اور یہ سمجھ سکو کہ زمین میں یہ انتظام اَلَل ٹَپ نہیں ہو گیا ہے، نہ بہت سے خداؤں نے مل کر یہ تدبیر کی ہے، بلکہ ایک ربِّ حکیم ہے جس نے اپنی مخلوق کی ضروریات کو ملحوظ رکھ کر پہاڑوں اور میدانوں میں یہ راستے بنائے ہیں، اور زمین کے ایک ایک خِطّے کو بے شمار طریقوں سے ایک الگ شکل دی ہے جس کی بدولت انسان ہر خطّے کو دوسرے سے مُمَیَّز کر سکتا ہے۔

۱۰ - یعنی ہر علاقے کے لیے بارش کی ایک اوسط مقدار مقرر کی جو مدت ہائے دراز تک سال بہ سال ایک ہی ہموار طریقے سے چلتی رہتی ہے۔ اس میں ایسی بے قاعدگی نہیں رکھی کہ کبھی سال میں دو انچ بارش ہو اور کبھی دو سو انچ ہو جائے۔ پھر وہ اُس کو مختلف زمانوں میں اور مختلف اوقات میں جگہ جگہ پھیلا کر اس طرح برساتا ہے کہ بالعُموم وہ وسیع پیمانے پر زمین کی بار آوری کے لیے نافع ہوتی ہے۔ اور یہ بھی اس کی حکمت ہی ہے کہ زمین کے بعض حصوں کو اُس نے بارش سے قریب قریب بالکل محروم کر کے بے آب و گیاہ صحرا بنا دیے ہیں، اور بعض دوسرے حصوں میں وہ کبھی قحط ڈال دیتا ہے اور کبھی طوفانی بارش کر دیتا ہے، تاکہ آدمی یہ جان سکے کہ زمین کے آباد علاقوں میں بارش اور اس کی عام باقاعدگی کتنی بڑی نعمت ہے، اور یہ بھی اُس کو یاد رہے کہ اِس نظام پر کوئی دوسری طاقت حکمراں ہے جس کے فیصلوں کے آگے کسی کی کچھ پیش نہیں جاتی۔ کسی میں یہ طاقت نہیں ہے کہ ایک ملک میں بارش کے عام اوسط کو بدل سکے، یا زمین کے وسیع علاقوں پر اس کی تقسیم میں فرق ڈال سکے، یا کسی آتے ہوئے طوفان کو روک سکے، یا رُوٹھے ہوئے بادلوں کو منا کر اپنے ملک کی طرف کھینچ لائے اور انھیں برسنے پر مجبُور کر دے۔ (تشریح کے لیے مُلاحظہ ہو: تفہیم القرآن، جلد دوم، صفحات ۵۰۲-۵۰۳۔ جلد سوم، المومنون، حواشی ۱۷-۱۸)

۱۱ - یہاں پانی کے ذریعے سے زمین کے اندر روئیدگی کی پیدائش کو بیک وقت دو چیزوں کی دلیل قرار دیا گیا ہے: ایک، یہ کہ یہ کام خدائے واحد کی قدرت و حکمت سے ہو رہے ہیں، کوئی دوسرا اس کارِ خدائی میں اس کا شریک نہیں ہے۔ دوسرے، یہ کہ موت کے بعد دوبارہ زندگی ہو سکتی ہے اور ہو گی۔ (مزید تشریح کے لیے مُلاحظہ ہو: تفہیم القرآن، جلد دوم، النحل، حاشیہ ۵۳ الف۔ جلد سوم، الحج، حاشیہ ۹۷، النمل، حاشیہ ۷۳، الروم، حواشی ۲۵-۳۴-۳۵۔ جلد چہارم، سورۂ فاطر، حاشیہ ۱۹، سورۂ یٰسین، حاشیہ ۲۹)

۱۲ - جوڑوں سے مراد صرف نَوعِ انسانی کے زن و مرد، اور حیوانات و نباتات کے نر و مادہ ہی نہیں ہیں، بلکہ دوسری بے شمار چیزیں بھی ہیں جن کو خالق نے ایک دوسرے کا جوڑ بنایا ہے، اور جن کے اِختلاط یا امتزاج سے دنیا میں نئی نئی چیزیں وجود میں آتی ہیں۔ مثلاً عناصر میں بعض کا بعض سے جوڑ لگتا ہے اور بعض کا بعض سے نہیں لگتا۔ جن کا جوڑ ایک دوسرے سے لگتا ہے،

QuranUrdu.com

تَرْكَبُوْنَ ﴿۱۲﴾ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ
اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا
هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۴﴾

اُن کی پُشت پر چڑھو اور جب اُن پر بیٹھو تو اپنے رب کا احسان یاد کرو اور کہو کہ ”پاک ہے وہ جس نے ہمارے لیے اِن چیزوں کو مسخّر کر دیا، ورنہ ہم انھیں قابو میں لانے کی طاقت نہ رکھتے تھے[۱۳]، اور ایک روز ہمیں اپنے رب کی طرف پلٹنا ہے[۱۴]۔“

انھی کے ملنے سے طرح طرح کی ترکیبیں واقع ہو رہی ہیں۔ یا مثلاً بجلی میں منفی اور مثبت بجلیاں ایک دوسرے کا جوڑ ہیں، اور ان کی باہمی کشش ہی دنیا میں عجیب عجیب کرشموں کی موجب بن رہی ہے۔ یہ اور دوسرے اَن گنت جوڑے، جو قسم قسم کی مخلوقات کے اندر اللہ تعالیٰ نے پیدا کیے ہیں، ان کی ساخت، اور اِن کی باہمی مناسبتوں، اور ان کے تعامُل کی گوناگوں شکلوں، اور ان کے ملنے سے پیدا ہونے والے نتائج پر اگر انسان غور کرے تو اس کا دل یہ گواہی دیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ سارا کارخانۂ عالم کسی ایک ہی زبردست صانع حکیم کا بنایا ہوا ہے، اور اسی کی تدبیر سے یہ چل رہا ہے۔ صرف ایک عقل کا اندھا ہی یہ فرض کر سکتا ہے کہ یہ سب کچھ کسی حکیم کے بغیر ہوا اور ہو رہا ہے، یا اس میں ایک سے زیادہ خداؤں کی دخیل کاری کا کوئی امکان ہے۔

۱۳ - یعنی زمین کی تمام مخلوقات میں سے تنہا انسان کو کشتیاں اور جہاز چلانے اور سواری کے لیے جانور استعمال کرنے کی یہ مَقْدِرَت اللہ تعالیٰ نے اس لیے تو نہیں دی تھی کہ وہ غلّے کی بوریوں کی طرح ان پر لد جائے اور کبھی نہ سوچے کہ آخر وہ کون ہے جس نے ہمارے لیے بحرِ زخّار میں کشتیاں دوڑانے کے امکانات پیدا کیے، اور جس نے جانوروں کی بے شمار اقسام میں سے بعض کو اس طرح پیدا کیا کہ وہ ہم سے بدرجہا زیادہ طاقتور ہونے کے باوجود ہمارے تابعِ فرمان بن جاتے ہیں، اور ہم ان پر سوار ہو کر جدھر چاہتے ہیں انھیں لیے پھرتے ہیں۔ اِن نعمتوں سے فائدہ اُٹھانا اور نعمت دینے والے کو فراموش کر دینا، دل کے مُردہ اور عقل و ضمیر کے بے حس ہونے کی علامت ہے۔ ایک زندہ اور حسّاس قلب و ضمیر رکھنے والا انسان تو اِن سواریوں پر جب بیٹھے گا تو اس کا دل احساسِ نعمت اور شکرِ نعمت کے جذبے سے لبریز ہو جائے گا۔ وہ پکار اُٹھے گا کہ پاک ہے وہ ذات جس نے میرے لیے ان چیزوں کو مسخّر کیا۔ پاک ہے اِس سے کہ اُس کی ذات و صفات اور اختیارات میں کوئی اس کا شریک ہو۔ پاک ہے اس کمزوری سے کہ اپنی خدائی کا کام خود چلانے سے وہ عاجز ہو اور دوسرے مددگار خداؤں کی اسے حاجت پیش آئے۔ پاک ہے اِس سے کہ مَیں اِن نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے میں اس کے ساتھ کسی اور کو شریک کروں۔

اس آیت کے منشا کی بہترین عملی تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اذکار ہیں جو سواریوں پر بیٹھتے وقت آپؐ کی زبان مبارک پر جاری ہوتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ جب سفر پر جانے کے لیے سواری پر بیٹھتے تو تین مرتبہ

QuranUrdu.com

اللہ اکبر کہتے، پھر یہ آیت پڑھتے، اور اس کے بعد یہ دعا مانگا کرتے تھے: اللھم انی اسألك فی سفری ھٰذا البرَّ والتقویٰ، ومن العمل ما ترضٰی، اللھم ھَوِّن لنا السفر، واطْوِلَنا البعیدَ، اللھم انت الصاحب فی السفر، والخلیفةُ فی الاھل، اللھم اَصْحِبْنا فی سفرنا واخْلُفْنَا فی اھلنا۔ (مُسْنَدِ احمد، مسلم، ابوداؤد، نَسائی، دارِمی، ترِمذی) ”خدایا! میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ میرے اس سفر میں مجھے نیکی اور تقویٰ اور ایسے عمل کی توفیق دے جو تجھے پسند ہو۔ خدایا! ہمارے لیے سفر کو آسان کر دے اور لمبی مَسافت کو لپیٹ دے۔ خدایا! تو ہی سفر کا ساتھی اور ہمارے پیچھے ہمارے اہل وعیال کا نگہبان ہے۔ خدایا! ہمارے سفر میں ہمارے ساتھ اور پیچھے ہمارے گھر والوں کی خبر گیری فرما۔“

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ کہہ کر رِکاب میں پاؤں رکھا، پھر سوار ہونے کے بعد فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا ھٰذَا......، پھر تین مرتبہ الحمد للہ اور تین دفعہ اللہ اکبر کہا، پھر فرمایا: سُبْحٰنَكَ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ، قد ظلمتُ نفسی فاغفرلی۔ اس کے بعد آپؐ ہنس دیے۔ میں نے پوچھا: یا رسولؐ اللہ! آپ ہنسے کس بات پر؟ فرمایا: بندہ جب ربِّ اغْفِرْلِیْ کہتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کو اس کی یہ بات بڑی پسند آتی ہے، وہ فرماتا ہے کہ میرا یہ بندہ جانتا ہے کہ میرے سوا مغفرت کرنے والا کوئی اور نہیں ہے۔ (احمد، ابوداؤد، ترِمذی، نَسائی وغیرہ)

ایک صاحب ابومِجلَز بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں جانور پر سوار ہوا اور میں نے آیت سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا ھٰذَا پڑھی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا اس طرح کرنے کا تمھیں حکم دیا گیا ہے؟ میں نے عرض کیا: پھر کیا کہوں؟ فرمایا: یوں کہو کہ شکر ہے اُس خدا کا جس نے ہمیں اسلام کی ہدایت دی، شکر ہے اُس کا کہ اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیج کر ہم پر احسان فرمایا، شکر ہے اس کا کہ اس نے ہمیں اُس بہترین اُمت میں داخل کیا جو خَلْقِ خدا کے لیے نکالی گئی ہے، اس کے بعد یہ آیت پڑھو۔ (ابنِ جَرِیر، احکام القرآن للجَصّاص)

۱۴ – مطلب یہ ہے کہ ہر سفر پر جاتے ہوئے یاد کرلو کہ آگے ایک بڑا اور آخری سفر بھی درپیش ہے۔ اس کے علاوہ چونکہ ہر سواری کو استعمال کرنے میں یہ امکان بھی ہوتا ہے کہ شاید کوئی حادثہ اسی سفر کو آدمی کا آخری سفر بنا دے، اس لیے بہتر ہے کہ ہر مرتبہ وہ اپنے رب کی طرف واپسی کو یاد کر کے چلے، تاکہ اگر مرنا ہی ہے تو بے خبر نہ مرے۔

یہاں تھوڑی دیر ٹھیر کر ذرا اس تعلیم کے اَخلاقی نتائج کا بھی اندازہ کر لیجیے۔ کیا آپ یہ تصوُّر کر سکتے ہیں کہ جو شخص کسی سواری پر بیٹھتے وقت سمجھ بُوجھ کر پورے شُعور کے ساتھ اس طرح اللہ کو اور اس کے حضور اپنی واپسی اور جواب دِہی کو یاد کر کے چلا ہو، وہ آگے جا کر کسی فِسق وفُجور یا کسی ظلم وستم کا مرتکب ہوگا؟ کیا کسی فاحشہ سے ملاقات کے لیے، یا کسی کلَبْ میں شراب خوری اور قمار بازی کے لیے جاتے وقت بھی کوئی شخص یہ کلمات زبان سے نکال سکتا ہے یا ان کا خیال کر سکتا ہے؟ کیا کوئی حاکم، یا سرکاری افسر، یا تاجر، جو یہ کچھ سوچ کر اور اپنے منہ سے کہہ کر گھر سے چلا ہو، اپنی جائے عمل پر پہنچ کر لوگوں کے حق مار سکتا ہے؟ کیا کوئی سپاہی بے گناہوں کا خون بہانے اور کمزوروں کی آزادی پر ڈاکا مارنے کے لیے جاتے وقت بھی اپنے ہوائی جہاز یا ٹینک پر قدم رکھتے ہوئے یہ الفاظ زبان پر لا سکتا ہے؟ اگر نہیں، تو یہی ایک چیز ہر اُس نقل وحرکت پر بند باندھ دینے کے لیے کافی ہے جو معصیت

QuranUrdu.com

ع۱۵

وَ جَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ؕ۠ ﴿۱۵﴾
اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّ اَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَ اِذَا بُشِّرَ
اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ
كَظِيْمٌ ﴿۱۷﴾ اَوَ مَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَ هُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ

(یہ سب کچھ جانتے اور مانتے ہوئے بھی) اِن لوگوں نے اُس کے بندوں میں سے بعض کواس کا جُز بنا ڈالا،[15] حقیقت یہ ہے کہ انسان کُھلا احسان فراموش ہے۔ ع

کیا اللہ نے اپنی مخلوق میں سے اپنے لیے بیٹیاں انتخاب کیں اور تمھیں بیٹوں سے نوازا؟ اور حال یہ ہے کہ جس اولاد کو یہ لوگ اُس خدائے رحمٰن کی طرف منسوب کرتے ہیں، اُس کی ولادت کا مُژدہ جب خود اِن میں سے کسی کو دیا جاتا ہے تو اُس کے منہ پر سیاہی چھا جاتی ہے اور وہ غم سے بھر جاتا ہے۔[16] کیا اللہ کے حصّے میں وہ اولاد آئی جو زیوروں میں پالی جاتی ہے اور بحث و حجت میں اپنا مدّعا پوری طرح

کے لیے ہو۔

۱۵ – جُز بنا دینے سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے کسی بندے کو اُس کی اولاد قرار دیا جائے، کیونکہ اولاد لامحالہ باپ کی ہم جنس اور اس کے وجود کا ایک جُز ہوتی ہے، اور کسی شخص کو اللہ کا بیٹا یا بیٹی کہنے کے معنیٰ ہی یہ ہیں کہ اُسے اللہ کی ذات میں شریک کیا جا رہا ہے۔ اِس کے علاوہ کسی مخلوق کو اللہ کا جُز بنانے کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ اُسے اُن صفات اور اختیارات کا حامل قرار دیا جائے جو اللہ ہی کے ساتھ مخصوص ہیں، اور اِسی تصور کے تحت اُس سے دُعائیں مانگی جائیں، یا اُس کے آگے عُبودیّت کے مراسم ادا کیے جائیں، یا اُس کی تحریم و تحلیل کو شریعتِ واجب الاتباع ٹھیرا لیا جائے۔ کیونکہ اس صورت میں آدمی اُلوہیّت و رُبوبیّت کو اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان بانٹتا ہے اور اس کا ایک جُز بندوں کے حوالے کر دیتا ہے۔

۱۶ – یہاں مشرکینِ عرب کی نامعقولیت کو پوری طرح بے نقاب کر کے رکھ دیا گیا ہے۔ وہ کہتے تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ اُن کے بت انھوں نے عورتوں کی شکل کے بنا رکھے تھے، اور یہی ان کی وہ دیویاں تھیں جن کی پرستش کی جاتی تھی۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اوّل تو تم نے یہ جاننے اور ماننے کے باوجود، کہ زمین و آسمان کا خالق اللہ ہے، اور اِس زمین کو اُسی نے تمھارے لیے گہوارہ بنایا ہے، اور وہی آسمان سے پانی برساتا ہے، اور اُسی نے یہ جانور تمھاری خدمت کے لیے پیدا کیے ہیں، اُس کے ساتھ دوسروں کو معبود بنایا۔ حالانکہ جنھیں تم معبود بنا رہے ہو، وہ خدا نہیں بلکہ بندے ہیں۔ پھر مزید غضب یہ کیا کہ بعض بندوں کو صفات ہی میں نہیں بلکہ اللہ کی ذات میں بھی اُس کا شریک بنا ڈالا، اور یہ عقیدہ ایجاد کیا کہ وہ اللہ کی اولاد ہیں۔ اس پر بھی تم نے بس نہ کیا اور اللہ

QuranUrdu.com

مُبِيْنٍ ﴿۱۸﴾ وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ

واضح بھی نہیں کرسکتی؟ ۱۷

انھوں نے فرشتوں کو، جو خدائے رحمٰن کے خاص بندے ہیں، ۱۸ عورتیں قرار دے لیا۔

کے لیے وہ اولاد تجویز کی جسے تم خود اپنے لیے ننگ وعار سمجھتے ہو۔ بیٹی گھر میں پیدا ہو جائے تو تمھارا منہ کالا ہو جاتا ہے، خون کا سا گھونٹ پی کر رہ جاتے ہو، بلکہ بعض اوقات زندہ بچی کو دفن کر دیتے ہو۔ یہ اولاد تو آئی اللہ کے حصّے میں۔ اور بیٹے، جو تمھارے نزدیک فخر کے قابل اولاد ہیں، مخصوص ہو گئے تمھارے لیے؟ اس پر تمھارا دعویٰ یہ ہے کہ ہم اللہ کے ماننے والے ہیں۔

۱۷ - بالفاظِ دیگر، جو نرم و نازک اور ضعیف و کمزور اولاد ہے وہ تم نے اللہ کے حصّے میں ڈالی، اور خم ٹھونک کر میدان میں اُترنے والی اولاد خود لے اُڑے۔

اِس آیت سے عورتوں کے لیے زیور کے جواز کا پہلو نکلتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے زیور کو ایک فطری چیز قرار دیا ہے۔ یہی بات احادیث سے بھی ثابت ہے۔ امام احمد، ابوداؤد اور نَسائی حضرت علیؓ سے رِوایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہاتھ میں ریشم اور دوسرے ہاتھ میں سونا لے کر فرمایا: یہ دونوں چیزیں لباس میں استعمال کرنا میری اُمت کے مردوں پر حرام ہے۔ تِرمِذی اور نَسائی نے حضرت ابوموسیٰؓ اَشْعَرِی کی رِوایت نقل کی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ ریشم اور سونا میری اُمت کی عورتوں کے لیے حلال اور مردوں پر حرام کیا گیا۔ علامہ ابوبکر جَصّاصؒ نے احکام القرآن میں اس مسئلے پر بحث کرتے ہوئے حسبِ ذیل رِوایات نقل کی ہیں:

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت زیدؓ بن حارثہ کے صاحبزادے اُسامہ بن زیدؓ کو چوٹ لگ گئی اور خون بہنے لگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے اپنی اولاد جیسی مَحبّت تھی۔ آپؐ ان کا خون چوس چوس کر تھوکتے جاتے اور ان کو یہ کہہ کہہ کر بہلاتے جاتے کہ اُسامہ اگر بیٹی ہوتا تو ہم اسے زیور پہناتے، اُسامہ اگر بیٹی ہوتا تو ہم اسے اچھے اچھے کپڑے پہناتے۔

حضرت ابوموسیٰؓ اَشْعَری کی رِوایَت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: لبس الحریر والذھب حرام علی ذکور امتی وحلال لاناثھا۔ ”ریشمی کپڑے اور سونے کے زیور پہننا میری امت کے مردوں پر حرام اور عورتوں کے لیے حلال ہے۔“

حضرت عَمرؓو بن عاص کی رِوایت ہے کہ ایک مرتبہ دو عورتیں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور وہ سونے کے کنگن پہنے ہوئے تھیں۔ آپؐ نے فرمایا: کیا تم پسند کرتی ہو کہ اللہ تمھیں ان کے بدلے آگ کے کنگن پہنائے؟ انھوں نے عرض کیا: نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: تو ان کا حق ادا کرو، یعنی ان کی زکوٰۃ نکالو۔

حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ زیور پہننے میں مُضایقہ نہیں، بشرطیکہ اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے۔

حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰؓ اَشْعَرِی کو لکھا کہ تمھاری عمل داری میں جو مسلمان عورتیں رہتی ہیں، اُن کو حکم دو کہ اپنے زیوروں کی زکوٰۃ نکالیں۔

امام ابوحنیفہؒ نے عَمرو بن دینار کے حوالے سے یہ رِوایات نقل کی ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے اپنی بہنوں کو اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ

QuranUrdu.com

اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ؕ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْـَٔلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَقَالُوْا
لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ؕ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ
اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۲۰﴾ ؕ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ
فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ﴿۲۱﴾ بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى

کیا اُن کے جسم کی ساخت اِنھوں نے دیکھی ہے[19]؟ اِن کی گواہی لکھ لی جائے گی اور انھیں اس کی جواب دِہی کرنی ہوگی۔

یہ کہتے ہیں: ''اگر خدائے رحمٰن چاہتا (کہ ہم ان کی عبادت نہ کریں) تو ہم کبھی اُن کو نہ پُوجتے[20]۔'' یہ اس معاملے کی حقیقت کو قطعی نہیں جانتے، محض تیر تُکّے لڑاتے ہیں۔ کیا ہم نے اِس سے پہلے کوئی کتاب اِن کو دی تھی جس کی سند (اپنی اِس ملائکہ پرستی کے لیے) یہ اپنے پاس رکھتے ہیں[21]؟ نہیں، بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک

نے اپنی بیٹیوں کو سونے کے زیور پہنائے تھے۔

اِن تمام رِوایات کو نقل کرنے کے بعد علّامہ جَصّاصؒ لکھتے ہیں کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ سے جو رِوایات عورتوں کے لیے سونے اور ریشم کے حلال ہونے کے متعلق وارد ہوئی ہیں، وہ عَدَمِ جواز کی رِوایات سے زیادہ مشہور اور نمایاں ہیں۔ اور آیتِ مذکورہ بالا بھی اس کے جواز پر دلالت کر رہی ہے۔ پھر اُمّت کا عمل بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے زمانے سے ہمارے زمانے (یعنی چوتھی صدی کے آخری دَور) تک یہی رہا ہے، بغیر اس کے کہ کسی نے اس پر اعتراض کیا ہو۔ اس طرح کے مسائل میں اخبارِ آحاد کی بنا پر کوئی اعتراض تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔''

۱۸ - یعنی مذکر یا مؤنث ہونے سے مُبرّا ہیں۔ یہ مفہوم فحوائے کلام سے خود بخود مُترشّح ہو رہا ہے۔

۱۹ - دوسرا ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ''کیا اُن کی پیدائش کے وقت یہ موجود تھے؟''

۲۰ - یہ اپنی گمراہی پر تقدیر سے اُن کا اِستِدلال تھا جو ہمیشہ سے غلط کار لوگوں کا شیوہ رہا ہے۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ ہمارا فرشتوں کی عبادت کرنا اسی لیے تو ممکن ہوا کہ اللہ نے ہمیں یہ کام کرنے دیا۔ اگر وہ نہ چاہتا کہ ہم یہ فعل کریں تو ہم کیسے کر سکتے تھے۔ پھر مدّت ہائے دراز سے ہمارے ہاں یہ کام ہو رہا ہے اور اللہ کی طرف سے اس پر کوئی عذاب نازل نہ ہوا۔ اس کے معنٰی یہ ہیں کہ اللہ کو ہمارا یہ کام ناپسند نہیں ہے۔

۲۱ - مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی جہالت سے یہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے، وہ چونکہ اللہ کی مَشیّت کے تحت ہو رہا ہے، اس لیے ضرور اس کو اللہ کی رضا بھی حاصل ہے۔ حالانکہ اگر یہ اِستِدلال صحیح ہو تو دنیا میں صرف ایک شرک ہی تو نہیں

QuranUrdu.com

أُمَّةٍ وَّإِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ
قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا
عَلٰٓى أُمَّةٍ وَّإِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴿۲۳﴾ قٰلَ اَوَ لَوْ جِئْتُكُمْ

طریقے پر پایا ہے، اور ہم انھی کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں[۲۲]۔ اِسی طرح تم سے پہلے جس بستی میں بھی ہم نے کوئی نذیر بھیجا، اُس کے کھاتے پیتے لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا ہے، اور ہم انھی کے نقشِ قدم کی پیروی کر رہے ہیں[۲۳]۔ ہر نبی نے ان سے پوچھا: کیا تم اُسی ڈگر پر چلے جاؤ گے،

ہو رہا ہے۔ چوری، ڈاکا، قتل، زِنا، رشوت، بدعہدی، اور ایسے ہی دوسرے بے شمار جرائم بھی ہو رہے ہیں جنھیں کوئی شخص بھی نیکی اور بھلائی نہیں سمجھتا۔ پھر کیا اِسی طرزِ اِستدلال کی بنا پر یہ بھی کہا جائے گا کہ یہ تمام افعال حلال وطیّب ہیں، کیونکہ اللہ اپنی دنیا میں انھیں ہونے دے رہا ہے، اور جب وہ اِنھیں ہونے دے رہا ہے، تو ضرور وہ ان کو پسند بھی کرتا ہے؟ اللہ کی پسند اور ناپسند معلوم ہونے کا ذریعہ وہ واقعات نہیں ہیں جو دنیا میں ہو رہے ہیں، بلکہ اللہ کی کتاب ہے جو اس کے رسول کے ذریعے سے آتی ہے اور جس میں اللہ خود بتاتا ہے کہ اسے کون سے عقائد، کون سے اعمال، اور کون سے اَخلاق پسند ہیں اور کون سے ناپسند۔ پس اگر قرآن سے پہلے آئی ہوئی کوئی کتاب اِن لوگوں کے پاس ایسی موجود ہو جس میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہو کہ فرشتے بھی میرے ساتھ تمھارے معبود ہیں اور تم کو ان کی عبادت بھی کرنی چاہیے، تو یہ لوگ اس کا حوالہ دیں۔ (مزید تشریح کے لیے مُلاحظہ ہو: تفہیم القرآن، جلد اوّل، الاَنعام، حواشی ۷۱-۷۹-۸۰-۱۱۰-۱۲۴-۱۲۵۔ جلد دوم، الاعراف، حاشیہ ۱۶، یونُس، حاشیہ ۱۰۱، ہود، حاشیہ ۱۱۶، الرعد، حاشیہ ۴۹، النحل، حواشی ۱۰-۳۱-۹۴۔ جلد چہارم، الزُّمَر، حاشیہ ۲۰، الشُّوریٰ، حاشیہ ۱۱)

۲۲ - یعنی ان کے پاس کسی کتابِ الٰہی کی کوئی سند نہیں ہے، بلکہ سند صرف یہ ہے کہ باپ دادا سے یوں ہی ہوتا چلا آ رہا ہے، لہٰذا ہم بھی انھی کی تقلید میں فرشتوں کو دیویاں بنائے بیٹھے ہیں۔

۲۳ - یہ بات قابلِ غور ہے کہ انبیاؑ کے مقابلے میں اٹھ کر باپ دادا کی تقلید کا جھنڈا بلند کرنے والے ہر زمانے میں اپنی قوم کے کھاتے پیتے لوگ ہی کیوں رہے ہیں؟ آخر کیا وجہ ہے کہ وہی حق کی مخالفت میں پیش پیش اور قائم شدہ جاہلیّت کو برقرار رکھنے کی کوشش میں سرگرم رہے، اور وہی عوام کو بہکا اور بھڑکا کر انبیا علیہم السلام کے خلاف فتنے اُٹھاتے رہے؟ اس کے بنیادی وجوہ دو تھے: ایک، یہ کہ کھاتے پیتے اور خوشحال طبقے اپنی دنیا بنانے اور اس سے لطف اندوز ہونے میں اس قدر منہمک ہوتے ہیں کہ حق اور باطل کی، بَزعمِ خویش، دُور اَز کار بحث میں سر کھپانے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ اُن کی تن آسانی اور ذہنی کاہلی دین کے معاملے میں انتہائی بے فکر، اور اِس کے ساتھ عملاً قدامت پسند (conservative) بنا دیتی ہے، تاکہ جو حالت پہلے سے قائم چلی آ رہی ہے وہی، قطعِ نظر اس سے کہ وہ حق ہے یا باطل، جُوں کی تُوں قائم رہے اور کسی نئے نظام کے متعلق

QuranUrdu.com

بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ؕ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ
بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۵﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ النصف ع ۲ ۱۰ ۸
بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۶﴾ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ﴿۲۷﴾
وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾

خواہ مَیں اُس راستے سے زیادہ صحیح راستہ تمھیں بتاؤں جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے؟ انھوں نے سارے رسولوں کو یہی جواب دیا کہ جس دین کی طرف بلانے کے لیے تم بھیجے گئے ہو، ہم اُس کے کافر ہیں۔ آخرِکار ہم نے اُن کی خبر لے ڈالی، اور دیکھ لو کہ جُھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔ ع

یاد کرو وہ وقت جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا تھا[۲۴] کہ ”تم جن کی بندگی کرتے ہو، میرا اُن سے کوئی تعلق نہیں۔ میرا تعلق صرف اُس سے ہے جس نے مجھے پیدا کیا، وہی میری رہنمائی کرے گا[۲۵]۔“ اور ابراہیمؑ یہی کلمہ[۲۶] اپنے پیچھے اپنی اولاد میں چھوڑ گیا، تاکہ وہ اِس کی طرف رُجوع کریں[۲۷]۔

سوچنے کی زحمت نہ اُٹھانی پڑے۔ دوسرے، یہ کہ قائم شدہ نظام سے اُن کے مفاد پوری طرح وابستہ ہو چکے ہوتے ہیں، اور انبیا علیہم السلام کے پیش کردہ نظام کو دیکھ کر پہلی ہی نظر میں وہ بھانپ جاتے ہیں کہ یہ آئے گا تو ان کی چودھراہٹ کی بِساط بھی لپیٹ کر رکھ دی جائے گی، اور ان کے لیے اَکلِ حرام اور فعلِ حرام کی بھی کوئی آزادی باقی نہ رہے گی۔ (مزید تفصیل لیے مُلاحظہ ہو: تفہیم القرآن، جلد اوّل، الاَنعام، حاشیہ، ۹۱۔ جلد دوم، الاعراف، حواشی ۴۶- ۵۳- ۵۸- ۷۴- ۸۸- ۹۲، ہود، حواشی ۳۱- ۳۲- ۴۱، بنی اسرائیل، حاشیہ ۱۸۔ جلد سوم، المؤمنون، حواشی ۲۶- ۲۷- ۳۵- ۵۹۔ جلد چہارم، سبا، آیت ۳۴، حاشیہ ۵۴)

۲۴ - تفصیلات کے لیے مُلاحظہ ہو: تفہیم القرآن، جلد اوّل، البقرہ، حواشی، ۱۲۴ تا ۱۳۳، الاَنعام، حواشی ۵۰ تا ۵۵۔ جلد دوم، ابراہیم، حواشی ۴۶ تا ۵۳۔ جلد سوم، مریم، حواشی ۲۶- ۲۷، الانبیاء، حواشی ۵۴ تا ۶۶، الشعراء، حواشی ۵۰ تا ۶۲، العنکبوت، حواشی ۲۶ تا ۴۶۔ جلد چہارم، الصّافّات، آیات ۸۳ تا ۱۰۰، حواشی ۴۴ تا ۵۵۔

۲۵ - اِن الفاظ میں حضرت ابراہیمؑ نے محض اپنا عقیدہ ہی بیان نہیں کیا بلکہ اس کی دلیل بھی دے دی۔ دوسرے معبُودوں سے تعلّق نہ رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ نہ انھوں نے پیدا کیا ہے، نہ وہ کسی معاملے میں صحیح رہنمائی کرتے ہیں، نہ کر سکتے ہیں۔ اور صرف اللہ وحدہٗ لاشریک سے تعلق جوڑنے کی وجہ یہ ہے کہ وہی پیدا کرنے والا ہے اور وہی انسان کی صحیح رہنمائی

QuranUrdu.com

بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ
مُّبِيْنٌ ﴿۲۹﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۰﴾
وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴿۳۱﴾

(اس کے باوجود جب یہ لوگ دوسروں کی بندگی کرنے لگے تو میں نے ان کو مٹا نہیں دیا) بلکہ میں اِنھیں اور اِن کے باپ دادا کو متاعِ حیات دیتا رہا، یہاں تک کہ اِن کے پاس حق، اور کھول کھول کر بیان کرنے والا رسول[۲۸] آ گیا۔ مگر جب وہ حق ان کے پاس آیا تو اِنھوں نے کہہ دیا کہ یہ تو جادُو ہے[۲۹] اور ہم اس کو ماننے سے انکار کرتے ہیں۔

کہتے ہیں: یہ قرآن دونوں شہروں کے بڑے آدمیوں میں سے کسی پر کیوں نہ نازل کیا گیا؟[۳۰]

کرتا ہے اور کر سکتا ہے۔

۲۶ – یعنی یہ بات کہ خالق کے سوا کوئی معبُود ہونے کا مستحق نہیں ہے۔

۲۷ – یعنی جب بھی راہِ راست سے ذرا قدم ہٹے تو یہ کلمہ ان کی رہنمائی کے لیے موجود رہے اور وہ اسی کی طرف پلٹ آئیں۔ اس واقعے کو جس غرض کے لیے یہاں بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ کفارِ قریش کی نامعقولیت کو پوری طرح بے نقاب کر دیا جائے اور انھیں اس بات پر شرم دلائی جائے کہ تم نے اسلاف کی تقلید اختیار کی بھی تو اس کے لیے اپنے بہترین اسلاف کو چھوڑ کر اپنے بدترین اسلاف کا انتخاب کیا۔ عرب میں قریش کی مَشْیَخَت جس بنا پر چل رہی تھی وہ تو یہ تھی کہ وہ حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی اولاد تھے اور ان کے بنائے ہوئے کعبے کی مجاوری کر رہے تھے۔ اس لیے انھیں پیروی اُن کی کرنی چاہیے تھی، نہ کہ اپنے اُن جاہل اسلاف کی جنھوں نے حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کے طریقے کو چھوڑ کر گردوپیش کی بت پرست قوموں سے شرک سیکھ لیا۔ پھر اس واقعے کو بیان کر کے ایک اور پہلو سے بھی ان گمراہ لوگوں کی غَلَطی واضح کی گئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ حق و باطل کی تمیز کیے بغیر اگر آنکھیں بند کر کے باپ دادا کی تقلید کرنا درست ہوتا تو سب سے پہلے حضرت ابراہیمؑ یہ کام کرتے۔ مگر انھوں نے صاف صاف اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہہ دیا کہ مَیں تمھارے اِس جاہلانہ مذہب کی پیروی نہیں کر سکتا جس میں تم نے اپنے خالق کو چھوڑ کر ان ہستیوں کو معبُود بنا رکھا ہے جو خالق نہیں ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ تقلیدِ آبائی کے قائل نہ تھے، بلکہ ان کا مسلک یہ تھا کہ باپ دادا کی پیروی کرنے سے پہلے آدمی کو آنکھیں کھول کر دیکھنا چاہیے کہ وہ صحیح راستے پر ہیں بھی یا نہیں، اور اگر دلیلِ معقول سے یہ ظاہر ہو کہ وہ غلط راستے پر جا رہے ہیں تو ان کی پیروی چھوڑ کر وہ طریقہ اختیار کرنا چاہیے جو دلیل کی رُو سے حق ہو۔

۲۸ – اصل میں رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں، جن کا دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایسا رسول

QuranUrdu.com

أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۚ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُم مَّعِيشَتَهُمْ فِي
الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَتَّخِذَ
بَعْضُهُم بَعْضًا سُخْرِيًّا ۗ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ﴿٣٢﴾

کیا تیرے رب کی رحمت یہ لوگ تقسیم کرتے ہیں؟ دنیا کی زندگی میں اِن کی گزر بسر کے ذرائع تو ہم نے ان کے درمیان تقسیم کیے ہیں، اور ان میں سے کچھ لوگوں کو کچھ دوسرے لوگوں پر ہم نے بدرجہا فوقیت دی ہے، تاکہ یہ ایک دوسرے سے خدمت لیں[۳۱]۔ اور تیرے رب کی رحمت اُس دولت سے زیادہ قیمتی ہے جو (اِن کے رئیس) سمیٹ رہے ہیں[۳۲]۔

آ گیا جس کا رسول ہونا بالکل ظاہر و باہر تھا۔ جس کی نبوت سے پہلے کی زندگی اور بعد کی زندگی صاف شہادت دے رہی تھی کہ وہ یقیناً خدا کا رسول ہے۔

۲۹ – تشریح کے لیے مُلاحظہ ہو: تفہیم القرآن، جلد سوم، الانبیاء، حاشیہ ۵۔ جلد چہارم، تفسیر سورۂ صٓ، حاشیہ ۵۔

۳۰ – دونوں شہروں سے مراد مکّہ اور طائف ہیں۔ کفار کا یہ کہنا تھا کہ اگر واقعی خدا کو کوئی رسول بھیجنا ہوتا اور وہ اُس پر اپنی کتاب نازل کرنے کا ارادہ کرتا تو ہمارے اِن مرکزی شہروں میں سے کسی بڑے آدمی کو اس غرض کے لیے منتخب کرتا۔ رسول بنانے کے لیے اللہ میاں کو ملا بھی تو وہ شخص جو یتیم پیدا ہوا، جس کے حصّے میں کوئی میراث نہ آئی، جس نے بکریاں چَرا کر جوانی گزار دی، جو اَب گزر اوقات بھی کرتا ہے تو بیوی کے مال سے تجارت کر کے، اور جو کسی قبیلے کا شیخ یا کسی خانوادے کا سربراہ نہیں ہے۔ کیا مکے میں ولید بن مُغیرہ اور عُتبہ بن رَبیعہ جیسے نامی گرامی سردار موجود نہ تھے؟ کیا طائف میں عُروہ بن مسعود، حبیب بن عَمْرو، کِنانہ بن عبدِ عَمْرو اور ابنِ عبدِ یالیل جیسے رئیس موجود نہ تھے؟ یہ تھا اُن لوگوں کا اِستِدلال۔ پہلے تو وہ یہی ماننے کے لیے تیار نہ تھے کہ کوئی بَشَر بھی رسول ہو سکتا ہے۔ مگر جب قرآنِ مجید میں پَے در پَے دلائل دے کر ان کے اس خیال کا پوری طرح اِبطال کر دیا گیا، اور اُن سے کہا گیا کہ اس سے پہلے ہمیشہ بشر ہی رسول ہو کر آتے رہے ہیں، اور انسانوں کی ہِدایت کے لیے بشر ہی رسول ہو سکتا ہے نہ کہ غیرِ بشر، اور جو رسول بھی دنیا میں آئے ہیں وہ یکایک آسمان سے نہیں اتر آئے تھے، بلکہ انھی انسانی بستیوں میں پیدا ہوئے تھے، بازاروں میں چلتے پھرتے تھے، بال بچوں والے تھے، اور کھانے پینے سے مُبَرّا نہ تھے (مُلاحظہ ہو: النحل: آیت ۴۳۔ بنی اسرائیل: ۹۴-۹۵۔ یوسف: ۱۰۹۔ الفرقان: ۷-۲۰۔ الانبیاء: ۷-۸۔ الرعد: ۳۸)، تو انھوں نے یہ دوسرا پینترا بدلا کہ اچھا، بشر ہی رسول سہی، مگر وہ کوئی بڑا آدمی ہونا چاہیے۔ مال دار ہو، بااثر ہو، بڑے جَتّھے والا ہو، لوگوں میں اس کی شخصیت کی دھاک بیٹھی ہوئی ہو۔ محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اِس مرتبے کے لیے کیسے موزوں ہو سکتے ہیں؟

۳۱ – یہ ان کے اعتراض کا جواب ہے جس کے اندر چند مختصر الفاظ میں بہت سی اہم باتیں ارشاد ہوئی ہیں: پہلی بات یہ کہ تیرے رب کی رحمت تقسیم کرنا ان کے سُپرد کب سے ہو گیا؟ کیا یہ طے کرنا اِن کا کام ہے کہ اللہ اپنی رحمت

QuranUrdu.com

وَ لَوْ لَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ

اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ سارے لوگ ایک ہی طریقے کے ہو جائیں گے تو ہم خدائے رحمٰن سے کفر کرنے والوں کے

سے کس کو نوازے اور کس کو نہ نوازے؟ (یہاں رب کی رحمت سے مراد اُس کی رحمتِ عام ہے جس میں سے ہر ایک کو کچھ نہ کچھ ملتا رہتا ہے۔)

دوسری بات یہ کہ نبوت تو خیر بہت بڑی چیز ہے، دنیا میں زندگی بسر کرنے کے جو عام ذرائع ہیں، ان کی تقسیم بھی ہم نے اپنے ہی ہاتھ میں رکھی ہے، کسی اور کے حوالے نہیں کر دی۔ ہم کسی کو حَسین اور کسی کو بدصورت، کسی کو خوش آواز اور کسی کو بد آواز، کسی کو قوی ہیکل اور کسی کو کمزور، کسی کو ذہین اور کسی کو کُند ذہن، کسی کو قوی الحافظہ اور کسی کو نسیان میں مبتلا، کسی کو سلیم الاعضا اور کسی کو اپاہج یا اندھا یا گونگا بہرا، کسی کو امیر زادہ اور کسی کو فقیر زادہ، کسی کو ترقی یافتہ قوم کا فرد اور کسی کو غلام یا پس ماندہ قوم کا فرد پیدا کرتے ہیں۔ اس پیدائشی قسمت میں کوئی ذرّہ برابر بھی دخل نہیں دے سکتا۔ جس کو جو کچھ ہم نے بنا دیا ہے وہی کچھ بننے پر وہ مجبُور ہے۔ اور ان مختلف پیدائشی حالتوں کا جو اثر بھی کسی کی تقدیر پر پڑتا ہے، اسے بدل دینا کسی کے بس میں نہیں ہے۔ پھر انسانوں کے درمیان رزق، طاقت، عزت، شہرت، دولت، حکومت وغیرہ کی تقسیم بھی ہم ہی کر رہے ہیں۔ جس کو ہماری طرف سے اقبال نصیب ہوتا ہے اسے کوئی گرا نہیں سکتا، اور جس پر ہماری طرف سے اِدبار آجاتا ہے اسے گرنے سے کوئی بچا نہیں سکتا۔ ہمارے فیصلوں کے مقابلے میں انسانوں کی ساری تدبیریں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔ اس عالَم گیر خدائی انتظام میں یہ لوگ کہاں فیصلہ کرنے چلے ہیں کہ کائنات کا مالک کسے اپنا نبی بنائے اور کسے نہ بنائے۔

تیسری بات یہ کہ اس خدائی انتظام میں یہ مستقل قاعدہ ملحوظ رکھا گیا ہے کہ سب کچھ ایک ہی کو، یا سب کچھ سب کو نہ دے دیا جائے۔ آنکھیں کھول کر دیکھو، ہر طرف تمھیں بندوں کے درمیان ہر پہلو میں تفاوُت ہی تفاوُت نظر آئے گا۔ کسی کو ہم نے کوئی چیز دی ہے تو دوسری کسی چیز سے اس کو محروم کر دیا ہے، اور وہ کسی اور کو عطا کر دی ہے۔ یہ اس حکمت کی بنا پر کیا گیا ہے کہ کوئی انسان دوسروں سے بے نیاز نہ ہو، بلکہ ہر ایک کسی نہ کسی معاملے میں دوسرے کا محتاج رہے۔ اب یہ کیسا احمقانہ خیال تمھارے دماغ میں سمایا ہے کہ جسے ہم نے ریاست اور وجاہت دی ہے، اُسی کو نبوت بھی دے دی جائے؟ کیا اسی طرح تم یہ بھی کہو گے کہ عقل، علم، دولت، حُسن، طاقت، اقتدار، اور دوسرے تمام کمالات ایک ہی میں جمع کر دیے جائیں، اور جس کو ایک چیز نہیں ملی ہے اُسے دوسری بھی کوئی چیز نہ دی جائے؟

۳۲ - یہاں رب کی رحمت سے مراد اُس کی رحمتِ خاص، یعنی نبوت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم اپنے جن رئیسوں کو اُن کی دولت و وجاہت اور مَشْیَخَت کی وجہ سے بڑی چیز سمجھ رہے ہو، وہ اِس دولت کے قابل نہیں ہیں جو محمد ابنِ عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دی گئی ہے۔ یہ دولت اُس دولت سے بدرجہا زیادہ اعلیٰ درجے کی ہے، اور اس کے لیے موزونیت کا معیار کچھ اور ہے۔ تم نے اگر یہ سمجھ رکھا ہے کہ تمھارا ہر چودھری اور سیٹھ نبی بننے کا اہل ہے، تو یہ تمھارے اپنے ہی ذہن کی پستی ہے۔ اللہ سے اِس نادانی کی توقع کیوں رکھتے ہو؟

QuranUrdu.com

بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّ مَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ﴿۳۳﴾
وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ ﴿۳۴﴾ وَزُخْرُفًا ؕ وَ اِنْ
كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ
لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۵﴾ ع وَ مَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا
فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿۳۶﴾ وَ اِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ
وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۷﴾ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ
بَيْنِيْ وَ بَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ﴿۳۸﴾

ع ۲ ۱۰ ۹

گھروں کی چھتیں، اور ان کی سیڑھیاں جن سے وہ اپنے بالا خانوں پر چڑھتے ہیں، اور اُن کے دروازے اور ان کے تخت جن پر وہ تکیے لگا کر بیٹھتے ہیں، سب چاندی اور سونے کے بنوا دیتے۔[۳۳] یہ تو محض حیاتِ دنیا کی متاع ہے، اور آخرت تیرے رب کے ہاں صرف متّقین کے لیے ہے۔ ع جو شخص رحمٰن کے ذکر[۳۴] سے تغافل برتتا ہے، ہم اس پر ایک شیطان مسلّط کر دیتے ہیں اور وہ اُس کا رفیق بن جاتا ہے۔ یہ شیاطین ایسے لوگوں کو راہِ راست پر آنے سے روکتے ہیں، اور وہ اپنی جگہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ٹھیک جا رہے ہیں۔ آخر کار جب یہ شخص ہمارے ہاں پہنچے گا تو اپنے شیطان سے کہے گا: "کاش! میرے اور تیرے درمیان مشرق و مغرب کا بُعد ہوتا، تُو تو بدترین ساتھی نکلا۔"

۳۳- یعنی یہ سیم و زر، جس کا کسی کو مل جانا تمھاری نگاہ میں نعمت کی انتہا اور قدر و قیمت کی معراج ہے، اللہ کی نگاہ میں اتنی حقیر چیز ہے کہ اگر تمام انسانوں کے کفر کی طرف ڈُھلک پڑنے کا خطرہ نہ ہوتا تو وہ ہر کافر کا گھر سونے چاندی کا بنا دیتا۔ اِس جنسِ فَرومایہ کی فراوانی آخر کب سے انسان کی شرافت اور پاکیزگیِ نفس اور طہارتِ رُوح کی دلیل بن گئی؟ یہ مال تو ان خبیث ترین انسانوں کے پاس بھی پایا جاتا ہے جن کے گھناؤنے کردار کی سڑاند سے سارا معاشرہ مُتعفّن ہو کر رہ جاتا ہے۔ اِسے تم نے آدمی کی بڑائی کا معیار بنا رکھا ہے۔

۳۴- وسیع المعنیٰ لفظ ہے۔ رحمٰن کے ذکر سے مراد اس کی یاد بھی ہے، اس کی طرف سے آئی ہوئی نصیحت بھی، اور یہ قرآن بھی۔

QuranUrdu.com

وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۹﴾
اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِي الْعُمْيَ وَمَنْ كَانَ فِيْ
ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۰﴾ فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ﴿۴۱﴾ اَوْ
نُرِيَنَّكَ الَّذِيْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَاسْتَمْسِكْ
بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۳﴾

اُس وقت اِن لوگوں سے کہا جائے گا کہ جب تم ظلم کر چکے تو آج یہ بات تمھارے لیے کچھ بھی نافع نہیں ہے کہ تم اور تمھارے شیاطین عذاب میں مشترک ہیں[۳۵]۔

اب کیا اے نبیؐ! تم بہروں کو سناؤ گے؟ یا اندھوں اور صریح گمراہی میں پڑے ہوئے لوگوں کو راہ دکھاؤ گے؟[۳۶] اب تو ہمیں اِن کو سزا دینی ہے، خواہ تمھیں دنیا سے اُٹھا لیں، یا تم کو آنکھوں سے اِن کا وہ انجام دکھا دیں جس کا ہم نے اِن سے وعدہ کیا ہے، ہمیں اِن پر پوری قدرت حاصل ہے[۳۷]۔ تم بہرحال اُس کتاب کو مضبوطی سے تھامے رہو جو وحی کے ذریعے سے تمھارے پاس بھیجی گئی ہے، یقیناً تم سیدھے راستے[۳۸] پر ہو۔

۳۵- یعنی اس امر میں تمھارے لیے تسلّی کا کوئی پہلو نہیں ہے کہ تمھیں غلط راہ پر ڈالنے والے کو سزا مل رہی ہے، کیونکہ وہی سزا گمراہی قبول کرنے کی پاداش میں تم بھی پا رہے ہو۔

۳۶- مطلب یہ ہے کہ جو سننے کے لیے تیار ہوں اور جنھوں نے حقائق کی طرف سے آنکھیں بند نہ کر لی ہوں ان کی طرف توجہ کرو، اور اندھوں کو دکھانے اور بہروں کو سنانے کی کوشش میں اپنی جان نہ کھپاؤ، نہ اس غم میں اپنے آپ کو گُھلاتے رہو کہ تمھارے یہ بھائی بند کیوں راہِ راست پر نہیں آتے اور کیوں اپنے آپ کو خدا کے عذاب کا مستحق بنا رہے ہیں۔

۳۷- اِس ارشاد کا مطلب اُس ماحول کو نگاہ میں رکھنے سے ہی اچھی طرح سمجھ میں آ سکتا ہے جس میں یہ بات فرمائی گئی ہے۔ کفارِ مکّہ یہ سمجھ رہے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی اُن کے لیے مصیبت بنی ہوئی ہے یہ کانٹا درمیان سے نکل جائے تو پھر سب اچھا ہو جائے گا۔ اسی گمانِ فاسد کی بنا پر وہ شب و روز بیٹھ بیٹھ کر مشورے کرتے تھے کہ آپؐ کو کسی نہ کسی طرح ختم کر دیا جائے۔ اِس پر اللہ تعالیٰ اُن کی طرف سے رُخ پھیر کر اپنے نبیؐ کو مخاطَب کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ تمھارے رہنے یا نہ رہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تم زندہ رہو گے تو تمھاری آنکھوں کے سامنے اِن کی شامت آئے گی، اُٹھا لیے جاؤ گے تو تمھارے پیچھے ان کی خبر لی جائے گی۔ شامتِ اعمال اب ان کی دامن گیر ہو چکی ہے جس سے یہ بچ نہیں سکتے۔

QuranUrdu.com

وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَسْـَٔلْ مَنْ
اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً
يُّعْبَدُوْنَ ﴿۴۵﴾ ع وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ ع ۱۰

حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب تمھارے لیے اور تمھاری قوم کے لیے ایک بہت بڑا شرف ہے، اور عنقریب تم لوگوں کو اس کی جواب دِہی کرنی ہوگی[۳۹]۔ تم سے پہلے ہم نے جتنے رسول بھیجے تھے، اُن سب سے پوچھ دیکھو، کیا ہم نے خدائے رحمٰن کے سوا کچھ دوسرے معبُود بھی مقرر کیے تھے کہ اُن کی بندگی کی جائے[۴۰]؟

ہم[۴۱] نے موسیٰؑ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ[۴۲] فرعون اور اُس کے اَعیانِ سلطنت کے پاس بھیجا،

۳۸- یعنی تم اس فکر میں نہ پڑو کہ ظلم اور بے ایمانی کے ساتھ حق کی مخالفت کرنے والے اپنے کیے کی کیا اور کب سزا پاتے ہیں، نہ اِس بات کی فکر کرو کہ اسلام کو تمھاری زندگی میں فروغ حاصل ہوتا ہے یا نہیں۔ تمھارے لیے بس یہ اطمینان کافی ہے کہ تم حق پر ہو۔ لہٰذا نتائج کی فکر کیے بغیر اپنا فرض انجام دیتے چلے جاؤ، اور یہ اللہ پر چھوڑ دو کہ وہ باطل کا سر تمھارے سامنے نیچا کرتا ہے یا تمھارے پیچھے۔

۳۹- یعنی اِس سے بڑھ کر کسی شخص کی کوئی خوش قسمتی نہیں ہوسکتی کہ تمام انسانوں میں سے اُس کو اللہ اپنی کتاب نازل کرنے کے لیے منتخب کرے، اور کسی قوم کے حق میں بھی اس سے بڑی کسی خوش قسمتی کا تصور نہیں کیا جا سکتا کہ دنیا کی دوسری سب قوموں کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ اُس کے ہاں اپنا نبی پیدا کرے اور اُس کی زبان میں اپنی کتاب نازل کرے اور اُسے دنیا میں پیغامِ خداوندی کی حامل بن کر اُٹھنے کا موقع دے۔ اس شَرَفِ عظیم کا احساس اگر قریش اور اہلِ عرب کو نہیں ہے اور وہ اس کی ناقدری کرنا چاہتے ہیں، تو ایک وقت آئے گا جب انھیں اس کی جواب دِہی کرنی ہوگی۔

۴۰- رسولوں سے پوچھنے کا مطلب اُن کی لائی ہوئی کتابوں سے معلوم کرنا ہے۔ جس طرح فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی معاملے میں اگر تمھارے درمیان نزاع ہو تو اسے اللہ اور رسولؐ کے پاس لے جاؤ، بلکہ یہ ہے کہ اس میں اللہ کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی سنّت کی طرف رُجوع کرو، اسی طرح رسولوں سے پوچھنے کا مطلب بھی یہ نہیں ہے کہ جو رسول دنیا سے تشریف لے جا چکے ہیں ان سب کے پاس جا کر دریافت کرو، بلکہ اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ خدا کے رسول دنیا میں جو تعلیمات چھوڑ گئے ہیں ان سب میں تلاش کر کے دیکھ لو، آخر کس نے یہ بات سکھائی تھی کہ اللہ جَلَّ شانُہٗ کے سوا بھی کوئی عبادت کا مستحق ہے؟

۴۱- یہ قصہ یہاں تین مقاصد کے لیے بیان کیا گیا ہے: ایک، یہ کہ اللہ تعالیٰ جب کسی ملک اور کسی قوم میں اپنا نبی بھیج کر اسے وہ موقع عطا فرماتا ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بِعثَت سے اب اہلِ عرب کو اُس نے عطا فرمایا ہے، اور وہ اُس کی قدر

QuranUrdu.com

فَقَالَ اِنِّیْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۶﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰیٰتِنَآ اِذَا هُمْ
مِّنْهَا یَضْحَكُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ اِلَّا هِیَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ز
وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَقَالُوْا یٰۤاَیُّهَ السّٰحِرُ

اور اُس نے جا کر کہا کہ میں ربّ العالمین کا رسول ہوں۔ پھر جب اُس نے ہماری نشانیاں ان کے سامنے پیش کیں تو وہ ٹھٹّھے مارنے لگے۔ ہم ایک پر ایک ایسی نشانی اُن کو دکھاتے چلے گئے جو پہلی سے بڑھ چڑھ کر تھی، اور ہم نے اُن کو عذاب میں دھر لیا، تاکہ وہ اپنی رَوِش سے باز آئیں۔[۴۳] ہر عذاب کے موقع پر وہ کہتے: اَے ساحر!

کرنے اور اُس سے فائدہ اُٹھانے کے بجائے اُس حماقت کا ارتکاب کرتی ہے جس کا ارتکاب فرعون اور اس کی قوم نے کیا تھا، تو پھر اس کا وہ انجام ہوتا ہے جو تاریخ میں نمونۂ عبرت بن چکا ہے۔ دوسرے، یہ کہ فرعون نے بھی اپنی بادشاہی اور اپنی شوکت وحشمت اور دولت وثروت پر فخر کر کے موسیٰؑ کو اسی طرح حقیر سمجھا تھا جس طرح اب کفارِ قریش اپنے سرداروں کے مقابلے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیر سمجھ رہے ہیں۔ مگر خدا کا فیصلہ کچھ اور تھا، جس نے آخر بتا دیا کہ اصل میں حقیر و ذلیل کون تھا۔ تیسرے، یہ کہ اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ مذاق اور اس کی تنبیہات کے مقابلے میں ہیکڑی دکھانا کوئی سستا سودا نہیں ہے، بلکہ یہ سودا بہت مہنگا پڑتا ہے۔ اس کا خمیازہ جو بھگت چکے ہیں ان کی مثال سے سبق نہ لوگے تو خود بھی ایک روز وہی خمیازہ بھگت کر رہو گے۔

۴۲ - ان سے مراد وہ ابتدائی نشانیاں ہیں جنھیں لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے دربار میں گئے تھے، یعنی عصا اور یدِ بَیضا۔ (تشریح کے لیے مُلاحظہ ہو: تفہیم القرآن، جلد دوم، الاَعراف، حواشی ۸۷ تا ۸۹۔ جلد سوم، طٰہٰ، حواشی ۱۲-۱۳-۲۹-۳۰، الشعراء، حواشی ۲۶ تا ۲۹، النمل، حاشیہ ۱۶، القصص، حواشی ۴۴-۴۵)

۴۳ - اِن نشانیوں سے مراد وہ نشانیاں ہیں جو بعد میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کے ذریعے سے ان کو دکھائیں، اور وہ یہ تھیں:

(۱) جادوگروں سے اللہ کے نبی کا برسرِ عام مقابلہ ہوا اور وہ شکست کھا کر ایمان لے آئے۔ تفصیل کے لیے مُلاحظہ ہو: تفہیم القرآن، جلد دوم، الاعراف، حواشی ۸۸ تا ۹۲۔ جلد سوم، طٰہٰ، حواشی ۳۰ تا ۵۰، الشعراء، حواشی ۲۹ تا ۴۰۔

(۲) حضرت موسیٰؑ کے پیشگی اعلان کے مطابق مصر کی سرزمین میں شدید قحط برپا ہو گیا اور وہ ان کی دعا پر ہی دُور ہوا۔

(۳) اُن کے پیشگی اعلان کے بعد سارے ملک میں ہولناک بارشوں اور ژالہ باری اور گرج اور کڑک کے طوفان آئے جنھوں نے بستیوں اور کھیتیوں کو تباہ کر ڈالا، اور یہ بلا بھی اُن کی دعا سے ہی دفع ہوئی۔

(۴) پورے ملک پر ان کے اعلان کے مطابق ٹِڈّی دَلوں کا خوفناک حملہ ہوا، اور یہ آفت بھی اس وقت تک نہ ٹلی جب تک انھوں نے اسے ٹالنے کے لیے اللہ سے دعا نہ کی۔

QuranUrdu.com

ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ إِنَّنَا لَمُهْتَدُونَ ﴿٤٩﴾ فَلَمَّا
كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ إِذَا هُمْ يَنْكُثُونَ ﴿٥٠﴾ وَنَادَىٰ فِرْعَوْنُ

اپنے رب کی طرف سے جو منصب تجھے حاصل ہے اُس کی بنا پر ہمارے لیے اُس سے دعا کر،[۴۴] ہم ضرور راہِ راست پر آجائیں گے۔ مگر جوں ہی کہ ہم اُن پر سے عذاب ہٹا دیتے، وہ اپنی بات سے پھر جاتے تھے۔ ایک روز فرعون نے

(۵) ملک بھر میں ان کے اعلان کے مطابق جُوئیں اور سُرسُریاں پھیل گئیں، جن سے ایک طرف آدمی اور جانور سخت مبتلائے عذاب ہوئے اور دوسری طرف غَلّوں کے گودام تباہ ہو گئے۔ یہ عذاب بھی اُس وقت ٹلا جب حضرت موسیٰؑ سے درخواست کر کے دعا کرائی گئی۔

(۶) ملک کے گوشے گوشے میں اُن کی قبل از وقت تنبیہ کے مطابق مینڈکوں کا سیلاب اُمنڈ آیا، جس نے پوری آبادی کا ناطِقہ تنگ کر دیا۔ اللہ کی یہ فوج بھی حضرت موسیٰؑ کی دُعا کے بغیر واپس نہ گئی۔

(۷) ٹھیک اُن کے اعلان کے مطابق خون کا عذاب رونما ہوا جس سے تمام نہروں، کنوؤں، چشموں، تالابوں اور حوضوں کا پانی خون میں تبدیل ہو گیا، مچھلیاں مر گئیں، ہر جگہ پانی کے ذخیروں میں عُفُونَت پیدا ہو گئی، اور پورے ایک ہفتے تک مصر کے لوگ صاف پانی کو ترس گئے۔ یہ آفت بھی اُس وقت ٹلی جب اس سے نجات پانے کے لیے حضرت موسیٰؑ سے دُعا کرائی گئی۔ تفصیلات کے لیے مُلاحظہ ہو: تفہیم القرآن، جلد دوم، الاعراف، حواشی ۹۴ تا ۹۶۔ جلد سوم، النمل، حواشی ۱۶-۱۷۔ جلد چہارم، المومن، حاشیہ ۳۷۔

بائبل کی کتابِ خُروج، باب ۷-۸-۹-۱۰ اور ۱۲ میں بھی ان عذابوں کی مفصّل رُوداد درج ہے، مگر وہ گپ اور حقیقت کا مجموعہ ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ جب خون کا عذاب آیا تو جادوگروں نے بھی ویسا ہی لا کر دکھا دیا۔ مگر جب جُوؤں کا عذاب آیا تو جادوگر جواب میں جُوئیں پیدا نہ کر سکے اور انھوں نے کہا کہ یہ خدا کا کام ہے۔ پھر اس سے بھی زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ جب مینڈکوں کا سیلاب اُٹھا تو جادوگر بھی جواب میں مینڈک چڑھا لائے، لیکن اس کے باوجود فرعون نے حضرت موسیٰؑ ہی سے یہ درخواست کی کہ اللہ سے دُعا کر کے اس عذاب کو دفع کرائیے۔ سوال یہ ہے کہ جب جادوگر مینڈک چڑھا لانے پر قادر تھے تو فرعون نے انھی کے ذریعے سے یہ عذاب کیوں نہ دُور کرا لیا؟ اور آخر یہ معلوم کیسے ہوا کہ مینڈکوں کی اس فوج میں اللہ کے مینڈک کون سے ہیں اور جادُوگروں کے مینڈک کون سے؟ یہی سوال خون کے بارے میں بھی پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ کی تنبیہ کے مطابق ہر طرف پانی کے ذخیرے خون میں تبدیل ہو چکے تھے تو جادُوگروں نے کس پانی کو خون بنایا، اور کیسے معلوم ہوا کہ فُلاں جگہ کا پانی جادُوگروں کے کرتب سے خون بنا ہے؟ ایسی ہی باتوں سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ بائبل خالص کلامِ الٰہی پر مشتمل نہیں ہے، بلکہ اس کو جن لوگوں نے تصنیف کیا ہے انھوں نے اس کے اندر اپنی طرف سے بھی بہت کچھ ملا دیا ہے۔ اور غضب یہ ہے کہ یہ مصنّفین کچھ تھے بھی واجبی سی عقل کے لوگ جنھیں بات گھڑنے کا سلیقہ بھی نصیب نہ تھا۔

QuranUrdu.com

۴۴ - فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کی ہٹ دھرمی کا اندازہ اِس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ جب وہ خدا کے عذاب سے تنگ آ کر حضرت موسیٰؑ سے اُس کے ٹلنے کی دعا کرانا چاہتے تھے، اُس وقت بھی وہ آپ کو پیغمبر کہنے کے بجائے جادوگر ہی کہہ کر خطاب کرتے تھے۔ حالانکہ وہ جادو کی حقیقت سے ناواقف نہ تھے، اور ان سے یہ بات چھُپی ہوئی نہ تھی کہ یہ کرشمے کسی جادُو سے رونما نہیں ہو سکتے۔ ایک جادُوگر زیادہ سے زیادہ جو کچھ کر سکتا ہے وہ یہ ہے کہ ایک محدود رقبے میں جو لوگ اُس کے سامنے موجود ہوں اُن کے ذہن پر ایسا اثر ڈالے جس سے وہ یہ محسوس کرنے لگیں کہ پانی خون بن گیا ہے، یا مینڈک اُبلے پڑ رہے ہیں، یا ٹِڈّی دَل چڑھے چلے آ رہے ہیں۔ اور اس محدود رقبے کے اندر بھی کوئی پانی حقیقت میں خون نہ بن جائے گا، بلکہ اس دائرے سے نکلتے ہی پانی کا پانی رہ جائے گا۔ کوئی مینڈک فی الواقع پیدا نہ ہوگا، بلکہ اسے پکڑ کر آپ اس دائرے سے باہر لے جائیں گے تو آپ کے ہاتھ میں مینڈک کے بجائے صرف ہوا ہوگی۔ ٹِڈّی دَل بھی محض خیالی دَل ہوگا، کسی کھیت کو وہ نہ چاٹ سکے گا۔ رہی یہ بات کہ ایک پورے ملک میں قحط برپا ہو جائے، یا تمام ملک کی نہریں اور چشمے اور کنویں خون سے بھر جائیں، یا ہزار ہا میل کے رقبے پر ٹِڈّی دَل ٹوٹ پڑیں اور وہ لاکھوں ایکڑ کے کھیت صاف کر جائیں، یہ کام نہ آج تک کبھی کوئی جادُوگر کر سکا ہے، نہ جادُو کے زور سے کبھی یہ ہو سکتا ہے۔ ایسے جادُوگر کسی بادشاہ کے پاس ہوتے تو اسے فوج رکھنے اور جنگ کی مصیبتیں جھیلنے کی کیا ضرورت تھی؟ جادو کے زور سے وہ ساری دنیا کو مُسخَّر کر سکتا تھا۔ بلکہ جادُوگروں کے پاس یہ طاقت ہوتی تو وہ بادشاہوں کی ملازمت ہی کیوں کرتے؟ خود بادشاہ نہ بن بیٹھتے؟

مفسرین کو بالعُموم یہ پریشانی پیش آئی ہے کہ جب عذاب سے نجات پانے کے لیے فرعون اور اس کے درباری حضرت موسیٰؑ سے دُعا کی درخواست کرتے تھے، اس وقت وہ ان کو ''اَے ساحر'' کہہ کر کیسے خطاب کرتے تھے۔ مصیبت کے وقت مدد کی التجا کرنے والا تو خوشامد کرتا ہے نہ کہ مَذَمَّت۔ اسی وجہ سے انھوں نے یہ تاویل کی ہے کہ جادو اس زمانے کے اہلِ مصر کے نزدیک بڑا باوَقعت علم تھا، اور ''اے ساحر'' کہہ کر دراصل وہ حضرت موسیٰؑ کی مَذَمَّت نہ کرتے تھے، بلکہ اپنے نزدیک عزّت کے ساتھ وہ گویا ان کو ''اے عالم'' کہہ کر پکارتے تھے۔ لیکن یہ تاویل اس بنا پر بالکل غلط ہے کہ قرآن میں دوسرے مَقامات پر جہاں جہاں بھی فرعون کے وہ اقوال نقل کیے گئے ہیں جن میں اس نے حضرت موسیٰؑ کو جادوگر اور ان کے پیش کردہ معجزات کو جادو کہا ہے، وہاں مَذَمَّت اور تحقیر کا انداز صاف ظاہر ہوتا ہے، اور صریحاً یہ نظر آتا ہے کہ اس کے نزدیک جادو ایک جھوٹی چیز تھی جس کا الزام حضرت موسیٰؑ پر رکھ کر وہ آپ کو جھوٹا مدّعیِ نبوت قرار دیتا تھا۔ اس لیے یہ ماننے کے قابل بات نہیں ہے کہ یکایک اس مَقام پر اس کی نگاہ میں ''ساحر'' ایک باعزت عالم کا لقب بن گیا ہو۔ رہا یہ سوال کہ جب دُعا کی درخواست کرتے وقت بھی وہ عَلانِیَہ حضرت موسیٰؑ کی توہین کرتا تھا تو آپ اُس کی درخواست قبول ہی کیوں کرتے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آں جناب کے پیشِ نظر اللہ کے حکم سے اُن لوگوں پر حُجَّت تمام کرنا تھا۔ عذاب ٹالنے کے لیے اُن کا آپ سے دعا کی درخواست کرنا خود یہ ثابت کر رہا تھا کہ اپنے دلوں میں وہ جان چکے ہیں کہ یہ عذاب کیوں آ رہے ہیں، کہاں سے آ رہے ہیں، اور کون انھیں ٹال سکتا ہے۔ اس کے باوجود جب وہ ہٹ دھرمی کے ساتھ آپ کو ساحر کہتے تھے، اور عذاب ٹل جانے کے بعد راہِ راست قبول کرنے کے وعدے سے پھر جاتے تھے، تو درحقیقت وہ اللہ کے نبی کا کچھ نہ بگاڑتے تھے، بلکہ اپنے خلاف اُس مُقَدَّمے کو اور زیادہ مضبوط کرتے چلے جاتے تھے جس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے اُن

QuranUrdu.com

فِيْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ
مِنْ تَحْتِيْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۱﴾ اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ مَهِيْنٌ ۙ
وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ﴿۵۲﴾ فَلَوْلَآ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ

اپنی قوم کے درمیان پکار کر کہا:[۴۵] ”لوگو! کیا مصر کی بادشاہی میری نہیں ہے، اور یہ نہریں میرے نیچے نہیں بہ رہی ہیں؟ کیا تم لوگوں کو نظر نہیں آتا؟[۴۶] میں بہتر ہوں یا یہ شخص جو ذلیل و حقیر ہے[۴۷] اور اپنی بات بھی کھول کر بیان نہیں کر سکتا؟[۴۸] کیوں نہ اس پر سونے کے کنگن اُتارے گئے؟ یا فرشتوں کا

کے کُلّی اِستیصال کی شکل میں آخر کر دیا۔ ان کا آپ کو ساحر کہنا یہ معنی نہیں رکھتا کہ وہ درحقیقت اپنے دل میں بھی یہ سمجھتے تھے کہ یہ عذاب ان پر جادُو کے زور سے آ رہے ہیں۔ بلکہ اپنے دلوں میں وہ خوب سمجھتے تھے کہ یہ اللہ ربّ العالمین کی نشانیاں ہیں، اور پھر جان بُوجھ کر اُن کا انکار کرتے تھے۔ یہی بات ہے جو سورۂ نمل میں فرمائی گئی ہے کہ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا (آیت ۱۴) ”ان کے دل اندر سے قائل ہو چکے تھے، مگر انھوں نے ظلم اور تکبُّر کی بنا پر ان نشانیوں کا انکار کیا۔“

۴۵ – غالباً پوری قوم میں پکارنے کی عملی صورت یہ رہی ہوگی کہ فرعون نے جو بات اپنے دربار میں سلطنت کے اَعیان و اکابر اور قوم کے بڑے بڑے سرداروں کو مخاطب کر کے کہی تھی، اُسی کو مُنادیوں کے ذریعے سے پورے ملک کے شہروں اور قریوں میں نشر کرایا گیا ہوگا۔ بے چارے کے پاس اُس زمانے میں یہ ذرائع نہ تھے کہ خوشامدی پریس، خانہ ساز خبر رساں ایجنسیوں اور سرکاری ریڈیو سے مُنادی کراتا۔

۴۶ – مُنادی کا یہ مضمون ہی صاف بتا رہا ہے کہ ہِز میجسٹی کے پاؤں تلے سے زمین نکلی جا رہی تھی۔ حضرت موسیٰؑ کے پے در پے معجزات نے ملک کے عوام کا عقیدہ اپنے دیوتاؤں پر سے مُتزلزل کر دیا تھا اور فَراعِنَہ کا باندھا ہوا وہ سارا طِلِسم ٹوٹ گیا تھا جس کے ذریعے سے خداؤں کا اَوتار بن کر یہ خاندان مصر میں اپنی خداوندی چلا رہا تھا۔ اسی صورتِ حال کو دیکھ کر فرعون چیخ اُٹھا کہ کم بختو! تمھیں آنکھوں سے نظر نہیں آتا کہ اِس ملک میں بادشاہی کس کی ہے، اور دریائے نیل سے نکلی ہوئی یہ نہریں، جن پر تمھاری ساری معیشت کا انحصار ہے، کس کے حکم سے جاری ہیں؟ یہ ترقیات (developments) کے کام تو میرے اور میرے خاندان کے کیے ہوئے ہیں، اور تم گرویدہ ہو رہے ہو اِس فقیر کے۔

۴۷ – یعنی جس کے پاس نہ مال و دولت ہے، نہ اختیار و اقتدار۔ وہی اعتراض جو کفارِ قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا تھا۔

۴۸ – بعض مفسرین نے یہ خیال کیا ہے کہ فرعون کا اعتراض اُس لکنت پر تھا جو حضرت موسیٰؑ کی زبان میں بچپن سے

QuranUrdu.com

مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ﴿۵۳﴾ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ؕ اِنَّهُمْ
كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۴﴾ فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ

ایک دستہ اس کی اَردَلی میں نہ آیا؟"[49]

اُس نے اپنی قوم کو ہلکا سمجھا اور انھوں نے اس کی اطاعت کی، درحقیقت وہ تھے ہی فاسق لوگ[50]۔ آخرِ کار جب انھوں نے ہمیں غضب ناک کر دیا تو ہم نے اُن سے انتقام لیا اور ان کو اکٹھا

تھی۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ سورۂ طٰہٰ میں گزر چکا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کو جب نبوت کے منصب پر سرفراز کیا جا رہا تھا، اُس وقت انھوں نے حق تعالیٰ سے درخواست کی تھی کہ میری زبان کی گرہ کھول دیجیے، تاکہ لوگ میری بات اچھی طرح سمجھ لیں، اور اُسی وقت ان کی دوسری درخواستوں کے ساتھ یہ درخواست بھی قبول کر لی گئی تھی۔ (آیات ۲۷ تا ۳۶) پھر قرآنِ مجید میں مختلف مقامات پر حضرت موسیٰؑ کی جو تقریریں نقل کی گئی ہیں، وہ کمال درجے کی طلاقتِ لسانی پر دلالت کرتی ہیں۔ لہٰذا فرعون کے اعتراض کی بنا کوئی لکنت نہ تھی جو آنحضرت کی زبان میں ہو، بلکہ اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ شخص نہ معلوم کیا اُلجھی اُلجھی باتیں کرتا ہے، مابدولت کی سمجھ میں تو کبھی اس کا مدّعا آیا نہیں۔

۴۹ - قدیم زمانے میں جب کسی شخص کو کسی علاقے کی گورنری، یا کسی غیر ملک کی سفارت کے منصب پر مقرر کیا جاتا تو بادشاہ کی طرف سے اس کو خِلعت عطا ہوتا تھا جس میں سونے کے کڑے یا کنگن بھی شامل ہوتے تھے، اور اس کے ساتھ سپاہیوں، چوب داروں اور خدّام کا ایک دستہ بھی ہوتا تھا، تاکہ اس کا رعب اور دبدبہ قائم ہو اور اُس بادشاہ کی شان وشوکت کا اظہار ہو جس کی طرف سے وہ مامور ہو کر آ رہا ہے۔ فرعون کا مطلب یہ تھا کہ اگر واقعی موسیٰ علیہ السلام کو آسمان کے بادشاہ نے اِیں جناب کے پاس اپنا سفیر بنا کر بھیجا تھا تو اِسے خِلعتِ شاہی ملا ہوتا اور فرشتوں کے پَرے کے پَرے اس کے ساتھ آئے ہوتے۔ یہ کیا بات ہوئی کہ ایک ملنگ ہاتھ میں لاٹھی لیے آ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ میں ربّ العالمین کا رسول ہوں۔

۵۰ - اس مختصر سے فقرے میں ایک بہت بڑی حقیقت بیان کی گئی ہے۔ جب کوئی شخص کسی ملک میں اپنی مُطلَقُ العِنانی چلانے کی کوشش کرتا ہے اور اس کے لیے کُھلّم کُھلّا ہر طرح کی چالیں چلتا ہے، ہر فریب اور مکر و دغا سے کام لیتا ہے، کھلے بازار میں ضمیروں کی خرید و فروخت کا کاروبار چلاتا ہے، اور جو بِکتے نہیں انھیں بے دریغ کچلتا اور روندتا ہے، تو خواہ زبان سے وہ یہ بات نہ کہے، مگر اپنے عمل سے صاف ظاہر کر دیتا ہے کہ وہ درحقیقت اس ملک کے باشندوں کو عقل اور اَخلاق اور مردانگی کے لحاظ سے ہلکا سمجھتا ہے، اور اُس نے ان کے متعلق یہ رائے قائم کی ہے کہ میں اِن بے وقوف، بے ضمیر اور بُزدل لوگوں کو جدھر چاہوں ہانک کر لے جا سکتا ہوں۔ پھر جب اس کی یہ تدبیریں کامیاب ہو جاتی ہیں اور ملک کے باشندے اس کے دست بستہ غلام بن جاتے ہیں، تو وہ اپنے عمل سے ثابت کر دیتے ہیں کہ اُس خبیث نے جو کچھ اُنھیں سمجھا تھا، واقعی وہ وہی کچھ ہیں۔ اور اُن کے اِس ذلیل حالت میں مبتلا ہونے کی اصل وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ بنیادی طور پر "فاسق" ہوتے ہیں۔ اُن کو اِس سے کچھ بحث نہیں ہوتی کہ حق

QuranUrdu.com

اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۵﴾ فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ
مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ﴿۵۷﴾ وَقَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ
هُوَ ؕ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ﴿۵۸﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا
عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۵۹﴾ ؕ وَلَوْ نَشَآءُ

غرق کر دیا، اور بعد والوں کے لیے پیش رو اور نمونۂ عبرت بنا کر رکھ دیا۔[۵۱] ع

اور جوں ہی کہ ابنِ مریمؑ کی مثال دی گئی، تمھاری قوم کے لوگوں نے اس پر غُل مچا دیا اور لگے کہنے کہ ہمارے معبُود اچھے ہیں یا وہ؟[۵۲] یہ مثال وہ تمھارے سامنے محض کج بحثی کے لیے لائے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہ ہیں ہی جھگڑالو لوگ۔ ابنِ مریمؑ اِس کے سوا کچھ نہ تھا کہ ایک بندہ تھا جس پر ہم نے انعام کیا اور بنی اسرائیل کے لیے اپنی قدرت کا ایک نمونہ بنا دیا۔[۵۳] ہم چاہیں تو

کیا ہے اور باطل کیا، انصاف کیا ہے اور ظلم کیا۔ سچّائی اور دیانت اور شرافت قدر کے لائق ہے یا جھوٹ اور بے ایمانی اور رذالت۔ ان مسائل کے بجائے اُن کے لیے اصل اہمیّت صرف اپنے ذاتی مفاد کی ہوتی ہے، جس کے لیے وہ ہر ظالم کا ساتھ دینے، ہر جبّار کے آگے دبنے، ہر باطل کو قُبول کرنے، اور ہر صدائے حق کو دبانے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔

۵۱ – یعنی جو اُن کے انجام سے سبق نہ لیں اور اُنھی کی رَوِش پر چلیں اُن کے لیے وہ پیش رَو ہیں، اور جو سبق لینے والے ہیں اُن کے لیے نمونۂ عبرت۔

۵۲ – اس سے پہلے آیت ۴۵ میں یہ بات گزر چکی ہے کہ ”تم سے پہلے جو رسول ہو گزرے ہیں ان سب سے پوچھ دیکھو، کیا ہم نے خدائے رحمٰن کے سوا کچھ دوسرے معبود بھی مقرر کیے تھے کہ اُن کی بندگی کی جائے؟“ یہ تقریر جب اہلِ مکہ کے سامنے ہو رہی تھی تو ایک شخص نے، جس کا نام رِوایات میں عبداللہ ابنُ الزِّبَعْرٰی آیا ہے، اعتراض جڑ دیا کہ کیوں صاحب! عیسائی مریمؑ کے بیٹے کو خدا کا بیٹا قرار دے کر اس کی عبادت کرتے ہیں یا نہیں؟ پھر ہمارے معبُود کیا بُرے ہیں؟ اس پر کفار کے مجمع سے ایک زور کا قہقہہ بلند ہوا اور نعرے لگنے شروع ہو گئے کہ وہ مارا، پکڑے گئے، اب بولو اس کا کیا جواب ہے۔ لیکن ان کی اس بے ہودگی پر سلسلۂ کلام توڑا نہیں گیا، بلکہ جو مضمون چلا آ رہا تھا، پہلے اُسے مکمل کیا گیا، اور پھر اُس سوال کی طرف توجہ کی گئی جو معترض نے اُٹھایا تھا۔ (واضح رہے کہ اس واقعے کو تفسیر کی کتابوں میں مختلف طریقوں سے رِوایَت کیا گیا ہے جن میں بہت کچھ اختلاف ہے۔ لیکن آیت کے سِیاق و سَباق اور اُن رِوایات پر غور کرنے کے بعد ہمارے نزدیک واقعے کی صحیح صورت وہی ہے جو ابھی ہم نے بیان کی ہے۔)

۵۳ – قدرت کا نمونہ بنانے سے مراد حضرت عیسٰیؑ کو بے باپ کے پیدا کرنا، اور پھر اُن کو وہ معجزے عطا کرنا ہے جو

QuranUrdu.com

لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ﴿٦٠﴾ وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ
لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٦١﴾

تم سے فرشتے پیدا کر دیں[۵۴] جو زمین میں تمھارے جانشین ہوں۔ اور وہ دراصل قیامت کی ایک نشانی ہے[۵۵]، پس تم اُس میں شک نہ کرو اور میری بات مان لو، یہی سیدھا راستہ ہے،

نہ ان سے پہلے کسی کو دیے گئے تھے نہ اُن کے بعد۔ وہ مٹی کا پرندہ بناتے اور اس میں پھُونک مارتے تو وہ جیتا جاگتا پرندہ بن جاتا۔ وہ مادَر زاد اندھے کو بینا کر دیتے۔ وہ کوڑھ کے مریض کو تندرست کر دیتے۔ حتّٰی کہ وہ مُردے کو جِلا دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا منشا یہ ہے کہ محض اِس غیر معمولی پیدائش اور اِن عظیم معجزات کی وجہ سے اُن کو بندگی سے بالاتر سمجھنا اور خدا کا بیٹا قرار دے کر ان کی عبادت کرنا غلط ہے۔ اُن کی حیثیت ایک بندے سے زیادہ کچھ نہ تھی جسے ہم نے اپنے انعامات سے نواز کر اپنی قدرت کا نمونہ بنا دیا تھا۔ (تفصیل کے لیے مُلاحظہ ہو: تفہیم القرآن، جلد اوّل، آلِ عمران، حواشی ۴۲ تا ۴۴، النساء، ۱۹۰، المائدہ، حواشی ۴۰ - ۴۶ - ۱۲۷۔ جلد سوم، مریم، حواشی ۱۵ تا ۲۲، الانبیاء، حواشی ۸۸ تا ۹۰، المومنون، حاشیہ ۴۳)

۵۴ - دوسرا ترجمہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تم میں سے بعض کو فرشتہ بنا دیں۔

۵۵ - اس فقرے کا یہ ترجمہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ قیامت کے علم کا ایک ذریعہ ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ "وہ" سے کیا چیز مراد ہے؟ حضرت حَسَن بصریؒ اور سعید بن جُبَیرؒ کے نزدیک اس سے مراد قرآن ہے، یعنی قرآن سے آدمی یہ علم حاصل کرسکتا ہے کہ قیامت آئے گی۔ لیکن یہ تفسیر سِیاق وسَباق سے بالکل غیر متعلق ہے۔ سلسلۂ کلام میں کوئی قرینہ ایسا موجود نہیں ہے جس کی بنا پر یہ کہا جاسکے کہ اشارہ قرآن کی طرف ہے۔ دوسرے مفسرین قریب قریب بالاتفاق یہ رائے رکھتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت عیسٰی ابنِ مریمؑ ہیں، اور یہی سِیاق وسَباق کے لحاظ سے دُرست ہے۔ اس کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آں جناب کو قیامت کی نشانی یا قیامت کے علم کا ذریعہ کس معنٰی میں فرمایا گیا ہے؟ ابنِ عباسؓ، مُجاہدؒ، عِکْرِمَہؒ، قَتَادَہؒ، سُدِّیؒ، ضَحّاکؒ، ابو العالیہؒ اور ابو مالکؒ کہتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت عیسٰیؑ کا نُزولِ ثانی ہے جس کی خبر بکثرت احادیث میں وارد ہوئی ہے، اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ جب دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے تو معلوم ہو جائے گا کہ قیامت اب قریب ہے۔ لیکن اِن بزرگوں کی جلالتِ قدر کے باوجود یہ ماننا مشکل ہے کہ اِس آیت میں حضرت عیسٰیؑ کی آمدِ ثانی کو قیامت کی نشانی یا اس کے علم کا ذریعہ کہا گیا ہے۔ اس لیے کہ بعد کی عبارت یہ معنٰی لینے میں مانع ہے۔ اُن کا دوبارہ آنا تو قیامت کے علم کا ذریعہ صرف اُن لوگوں کے لیے بن سکتا ہے جو اُس زمانہ میں موجود ہوں یا اُس کے بعد پیدا ہوں۔ کفارِ مکہ کے لیے آخر وہ کیسے ذریعۂ علم قرار پاسکتا تھا کہ اُن کو خطاب کر کے یہ کہنا صحیح ہوتا کہ "پس تم اس میں شک نہ کرو"۔ لہٰذا ہمارے نزدیک صحیح تفسیر وہی ہے جو بعض دوسرے مفسرین نے کی ہے کہ یہاں حضرت عیسٰیؑ کے بے باپ پیدا ہونے اور اُن کے مٹی سے پرندہ بنانے اور مُردے جِلانے کو قیامت کے اِمکان کی ایک دلیل قرار دیا گیا ہے، اور ارشادِ خداوندی کا منشا یہ ہے کہ جو خدا باپ کے بغیر بچہ

QuranUrdu.com

وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۶۲﴾ وَلَمَّا جَآءَ عِيْسٰى
بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ
تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۶۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ
وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۴﴾ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ
مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿۶۵﴾

ایسا نہ ہو شیطان تم کو اُس سے روک دے[۵۶] کہ وہ تمھارا کھلا دشمن ہے۔ اور جب عیسیٰؑ صریح نشانیاں لیے ہوئے آیا تھا تو اس نے کہا تھا کہ ”میں تم لوگوں کے پاس حکمت لے کر آیا ہوں، اور اس لیے آیا ہوں کہ تم پر بعض اُن باتوں کی حقیقت کھول دُوں جن میں تم اختلاف کر رہے ہو، لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ ہی میرا رب بھی ہے اور تمھارا رب بھی۔ اُسی کی تم عبادت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے[۵۷]۔“ مگر (اُس کی اِس صاف تعلیم کے باوجود) گروہوں نے آپس میں اختلاف کیا[۵۸]، پس تباہی ہے اُن لوگوں کے لیے جنھوں نے ظلم کیا ایک دردناک دن کے عذاب سے۔

پیدا کر سکتا ہے، اور جس خدا کا ایک بندہ مٹی کے پُتلے میں جان ڈال سکتا اور مُردوں کو زندہ کر سکتا ہے، اُس کے لیے آخر تم اس بات کو کیوں ناممکن سمجھتے ہو کہ وہ تمھیں اور تمام انسانوں کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر دے۔

۵۶ – یعنی قیامت پر ایمان لانے سے روک دے۔

۵۷ – یعنی عیسیٰ علیہ السلام نے کبھی یہ نہیں کہا تھا کہ میں خدا ہوں یا خدا کا بیٹا ہوں اور تم میری عبادت کرو، بلکہ ان کی دعوت وہی تھی جو دوسرے تمام انبیاؑ کی دعوت تھی اور اب جس کی طرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم کو بلا رہے ہیں۔ (تشریح کے لیے مُلاحظہ ہو: تفہیم القرآن، جلد اوّل، آلِ عمران، حواشی ۴۵ تا ۴۸، النساء، حواشی، ۲۱۳ – ۲۱۷ – ۲۱۸، المائدہ، حواشی ۱۰۰ – ۱۳۰۔ جلد سوم، مریم، حواشی ۲۱ تا ۲۳)

۵۸ – یعنی ایک گروہ نے اُن کا انکار کیا تو مُخالفت میں اس حد تک پہنچ گیا کہ اُن پر ناجائز ولادت کی تہمت لگائی اور ان کو اپنے نزدیک سُولی پر چڑھوا کر چھوڑا۔ دوسرے گروہ نے اُن کا اقرار کیا تو عقیدت میں بے تحاشا غُلُوّ کر کے ان کو خدا بنا بیٹھا، اور پھر ایک انسان کے خدا ہونے کا مسئلہ اس کے لیے ایسی گُتّھی بنا جسے سلجھاتے سُلجھاتے اُس میں بے شمار فرقے بن گئے۔ (تشریح کے لیے مُلاحظہ ہو: تفہیم القرآن، جلد اوّل، النساء، حواشی ۲۱۱ تا ۲۱۶، المائدہ، حواشی ۳۹ – ۴۰ – ۱۰۱ – ۱۳۰)

QuranUrdu.com

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٦٦﴾
اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴿٦٧﴾ ع ط يٰعِبَادِ
لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿٦٨﴾ ج اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ﴿٦٩﴾ ج اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ
تُحْبَرُوْنَ ﴿٧٠﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ ج وَفِيْهَا
مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ ج وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٧١﴾ ج وَ
تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٧٢﴾ لَكُمْ

کیا یہ لوگ اب بس اِسی چیز کے منتظر ہیں کہ اچانک اِن پر قیامت آ جائے اور انھیں خبر بھی نہ ہو؟ وہ دن جب آئے گا تو متقین کو چھوڑ کر باقی سب دوست ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے[59] ع اُس روز اُن لوگوں سے، جو ہماری آیات پر ایمان لائے تھے اور مطیعِ فرمان بن کر رہے تھے، کہا جائے گا کہ "اے میرے بندو! آج تمھارے لیے کوئی خوف نہیں اور نہ تمھیں کوئی غم لاحق ہوگا۔ داخل ہو جاؤ جنت میں تم اور تمھاری بیویاں[60]، تمھیں خوش کر دیا جائے گا۔" اُن کے آگے سونے کے تھال اور ساغر گردش کرائے جائیں گے، اور ہر من بھاتی اور نگاہوں کو لذت دینے والی چیز وہاں موجود ہوگی۔ ان سے کہا جائے گا: "تم اب یہاں ہمیشہ رہو گے۔ تم اِس جنّت کے وارث اپنے اُن اعمال کی وجہ سے ہوئے ہو جو تم دنیا میں کرتے رہے۔ تمھارے لیے

---

۵۹ - دوسرے الفاظ میں صرف وہ دوستیاں باقی رہ جائیں گی جو دنیا میں نیکی اور خدا ترسی پر قائم ہیں، دوسری تمام دوستیاں دشمنی میں تبدیل ہو جائیں گی، اور آج گمراہی، ظلم و ستم اور معصیت میں جو لوگ ایک دوسرے کے یار و مددگار بنے ہوئے ہیں، کل قیامت کے روز وہی ایک دوسرے پر الزام ڈالنے اور اپنی جان چھڑانے کی کوشش کر رہے ہوں گے۔ یہ مضمون قرآنِ مجید میں بار بار جگہ جگہ بیان کیا گیا ہے، تاکہ ہر شخص اِسی دنیا میں اچھی طرح سوچ لے کہ کن لوگوں کا ساتھ دینا اِس کے لیے مفید ہے اور کن کا ساتھ تباہ کُن۔

۶۰ - اصل میں ازواج کا لفظ استعمال ہوا ہے جو بیویوں کے لیے بھی استعمال ہو سکتا ہے اور ایسے لوگوں کے لیے

QuranUrdu.com

فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۳﴾ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ
جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۷۴﴾ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَمَا
ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۶﴾ وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ
عَلَيْنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ﴿۷۷﴾ لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۸﴾ اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا
مُبْرِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ ؕ بَلٰى

یہاں بکثرت فواکِہ موجود ہیں جنھیں تم کھاؤ گے۔'' رہے مجرمین، تو وہ ہمیشہ جہنّم کے عذاب میں مبتلا رہیں گے، کبھی اُن کے عذاب میں کمی نہ ہوگی، اور وہ اس میں مایوس پڑے ہوں گے۔ ان پر ہم نے ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی اپنے اُوپر ظلم کرتے رہے۔ وہ پکاریں گے: ''اے مالک[۶۱]! تیرا رب ہمارا کام ہی تمام کر دے تو اچھا ہے۔'' وہ جواب دے گا: ''تم یوں ہی پڑے رہو گے، ہم تمھارے پاس حق لے کر آئے تھے، مگر تم میں سے اکثر کو حق ہی ناگوار تھا۔''[۶۲]

کیا اِن لوگوں نے کوئی اقدام کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے؟[۶۳] اچھا تو ہم بھی پھر ایک فیصلہ کیے لیتے ہیں۔ کیا اِنھوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم اِن کی راز کی باتیں اور ان کی سرگوشیاں سنتے نہیں ہیں؟ ہم سب کچھ سُن رہے ہیں

بھی جو کسی شخص کے ہم مَشرَب، ہم جولی اور ہم جماعت ہوں۔ یہ وسیع المعنیٰ لفظ اسی لیے استعمال کیا گیا ہے تاکہ اس کے مفہوم میں دونوں داخل ہو جائیں۔ اہلِ ایمان کی مومن بیویاں بھی اُن کے ساتھ ہوں گی اور ان کے مومن دوست بھی جنت میں اِن کے رفیق ہوں گے۔

۶۱ - مالک سے مراد ہے جہنّم کا داروغہ، جیسا کہ فحوائے کلام سے خود ظاہر ہو رہا ہے۔

۶۲ - یعنی ہم نے حقیقت تمھارے سامنے کھول کر رکھ دی، مگر تم حقیقت کے بجائے افسانوں کے دلدادہ تھے اور سچّائی تمھیں سخت ناگوار تھی۔ اب اپنے اِس احمقانہ انتخاب کا انجام دیکھ کر بِلبلاتے کیوں ہو؟ ہوسکتا ہے کہ یہ داروغۂ جہنّم ہی کے جواب کا ایک حصّہ ہو، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اُس کا جواب ''تم یوں ہی پڑے رہو گے'' پر ختم ہو گیا ہو اور یہ دوسرا فقرہ اللہ تعالیٰ کا اپنا ارشاد ہو۔ پہلی صورت میں داروغۂ جہنّم کا یہ قول کہ ''ہم تمھارے پاس حق لے کر آئے تھے'' ایسا ہی ہے جیسے حکومت کا کوئی افسر حکومت کی طرف سے بولتے ہوئے ''ہم'' کا لفظ استعمال کرتا ہے اور اس کی مراد یہ ہوتی ہے کہ ہماری حکومت نے یہ کام کیا

QuranUrdu.com

وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿٨٠﴾ قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا
اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ﴿٨١﴾ سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ
الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿٨٢﴾ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا
يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿٨٣﴾ وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ
اِلٰهٌ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿٨٤﴾ وَتَبٰرَكَ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٨٥﴾

اور ہمارے فرشتے ان کے پاس ہی لکھ رہے ہیں۔

اِن سے کہو: ”اگر واقعی رحمٰن کی کوئی اولاد ہوتی تو سب سے پہلے عبادت کرنے والا میں ہوتا۔[۶۴]“ پاک ہے آسمانوں اور زمین کا فرماں روا، عرش کا مالک، اُن ساری باتوں سے جو یہ لوگ اُس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اچھا، اِنھیں اپنے باطل خیالات میں غرق اور اپنے کھیل میں منہمک رہنے دو، یہاں تک کہ یہ اپنا وہ دن دیکھ لیں جس کا اِنھیں خوف دلایا جا رہا ہے۔

وہی ایک آسمان میں بھی خدا ہے اور زمین میں بھی خدا، اور وہی حکیم و علیم ہے[۶۵]۔ بہت بالا و برتر ہے وہ جس کے قبضے میں زمین اور آسمانوں اور ہر اُس چیز کی بادشاہی ہے جو زمین و آسمان کے درمیان پائی جاتی ہے[۶۶]۔ اور وہی قیامت کی گھڑی کا علم رکھتا ہے، اور اسی کی طرف تم سب پلٹائے جانے والے ہو[۶۷]۔

یا یہ حکم دیا۔

۶۳ - اشارہ ہے اُن باتوں کی طرف جو سردارانِ قریش اپنی خفیہ مجلسوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کوئی فیصلہ کُن قدم اُٹھانے کے لیے کر رہے تھے۔

۶۴ - مطلب یہ ہے کہ میرا کسی کو خدا کی اولاد نہ ماننا، اور جنھیں تم اس کی اولاد قرار دے رہے ہو ان کی عبادت سے انکار کرنا کسی ضد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر نہیں ہے۔ مَیں جس بنا پر اس سے انکار کرتا ہوں، وہ صرف یہ ہے کہ کوئی خدا کا بیٹا یا بیٹی نہیں ہے اور تمھارے یہ عقائد حقیقت کے خلاف ہیں۔ ورنہ میں تو خدا کا ایسا وفادار بندہ ہوں کہ اگر بالفرض حقیقت یہی ہوتی تو تم سے پہلے مَیں بندگی میں سر جُھکا دیتا۔

QuranUrdu.com

وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ
بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٨٦﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ

اُس کو چھوڑ کر یہ لوگ جنھیں پکارتے ہیں، وہ کسی شَفاعت کا اختیار نہیں رکھتے، اِلّا یہ کہ کوئی علم کی بنا پر حق کی شہادت دے۔[۶۸]
اور اگر تم ان سے پوچھو کہ انھیں کس نے پیدا کیا ہے، تو یہ خود کہیں گے کہ

۶۵ – یعنی آسمان اور زمین کے خدا الگ الگ نہیں ہیں، بلکہ ساری کائنات کا ایک ہی خدا ہے۔ اُسی کی حکمت اِس پورے نظامِ کائنات میں کارفرما ہے، اور وہی تمام حقائق کا علم رکھتا ہے۔

۶۶ – یعنی اُس کی ہستی اس سے بدرجہا بلند و برتر ہے کہ کوئی خدائی میں اُس کا شریک ہو اور اس عظیم کائنات کی فرماں روائی میں کچھ بھی دخل رکھتا ہو۔ زمین و آسمان میں جو بھی ہیں، خواہ وہ انبیاؑ ہوں یا اولیا، فرشتے ہوں یا جِنّ یا ارواح، ستارے ہوں یا سیّارے، سب اُس کے بندے اور غلام اور تابعِ فرمان ہیں۔ اُن کا کسی خدائی صِفَت سے مُتّصِف یا خدائی اختیار کا حامل ہونا قطعی ناممکن ہے۔

۶۷ – یعنی دنیا میں تم خواہ کسی کو اپنا حامی و سرپرست بناتے پھرو، مگر مرنے کے بعد تمھارا سابقہ اُسی ایک خدا سے پڑنا ہے اور اُسی کی عدالت میں تم کو اپنے اعمال کی جواب دِہی کرنی ہے۔

۶۸ – اس فقرے کے کئی مفہُوم ہیں:

ایک، یہ کہ لوگوں نے جن جن کو دنیا میں معبُود بنا رکھا ہے وہ سب اللہ کے حضور شَفاعت کرنے والے نہیں ہیں۔ ان میں سے جو گمراہ و بدراہ تھے، وہ تو خود وہاں مجرم کی حیثیت سے پیش ہوں گے۔ البتہ وہ لوگ ضرور دوسروں کی شَفاعت کرنے کے قابل ہوں گے جنھوں نے علم کے ساتھ (نہ کہ بے جانے بُوجھے) حق کی شہادت دی تھی۔

دوسرے، یہ کہ جنھیں شفاعت کرنے کا اختیار حاصل ہوگا، وہ بھی صرف اُن لوگوں کی شفاعت کر سکیں گے جنھوں نے دنیا میں جان بُوجھ کر (نہ کہ غفلت و بے خبری کے ساتھ) حق کی شہادت دی ہو۔ کسی ایسے شخص کی شفاعت نہ وہ خود کریں گے، نہ کرنے کے مجاز ہوں گے جو دنیا میں حق سے برگشتہ رہا تھا، یا بے سمجھے بُوجھے اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ بھی کہتا رہا اور دوسرے الٰہوں کی بندگی بھی کرتا رہا۔

تیسرے، یہ کہ کوئی شخص اگر یہ کہتا ہے کہ اُس نے جن کو معبُود بنا رکھا ہے وہ لازماً شفاعت کے اختیارات رکھتے ہیں، اور انھیں اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسا زور حاصل ہے کہ جسے چاہیں بخشوا لیں، قطعِ نظر اس سے کہ اس کے اعمال و عقائد کیسے ہی ہوں، تو وہ غلط کہتا ہے۔ یہ حیثیت اللہ کے ہاں کسی کو بھی حاصل نہیں ہے۔ جو شخص کسی کے لیے ایسی شفاعت کے اختیارات کا دعویٰ کرتا ہے، وہ اگر علم کی بنا پر اس بات کی مبنی بر حقیقت شہادت دے سکتا ہو تو ہمت کر کے آگے آئے، لیکن اگر وہ ایسی شہادت دینے کی پوزیشن

QuranUrdu.com

اللّٰہُ فَاَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ ﴿۸۷﴾ وَ قِیْلِہٖ یٰرَبِّ اِنَّ ہٰۤؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا
یُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ فَاصْفَحْ عَنْہُمْ وَ قُلْ سَلٰمٌ ؕ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾ ع

وقف لازم ۷ ع ۲۲ ۱۳

اللہ نے۔[۶۹] پھر کہاں سے یہ دھوکا کھا رہے ہیں؟ قسم ہے رسولؐ کے اِس قول کی کہ اے رب! یہ وہ لوگ ہیں جو مان کر نہیں[۷۰] دیتے۔

اچھا، اَے نبیؐ! اِن سے درگزر کرو اور کہہ دو کہ سلام ہے تمھیں،[۷۱] عنقریب اِنھیں معلوم ہو جائے گا۔

میں نہیں ہے، اور یقیناً نہیں ہے، تو خواہ مخواہ سنی سنائی باتوں پر، یا محض قیاس و وہم و گمان کی بنیاد پر ایسا ایک عقیدہ گھڑ لینا سراسر لغو، اور اس خیالی بھروسے پر اپنی عاقبت کو خطرے میں ڈال لینا قطعی حماقت ہے۔

اس آیت سے ضمناً دو بڑے اہم اُصول بھی مُستَنبَط ہوتے ہیں: اوّلاً، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم کے بغیر حق کی شہادت دینا چاہے دنیا میں معتبر ہو، مگر اللہ کے ہاں معتبر نہیں ہے۔ دنیا میں تو جو شخص کلمۂ شہادت زبان سے ادا کرے گا، ہم اس کو مسلمان مان لیں گے اور اس کے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ کرتے رہیں گے، جب تک وہ کُھلّم کُھلّا کفرِ صریح کا ارتکاب نہ کرے۔ لیکن اللہ کے ہاں صرف وہی شخص اہلِ ایمان میں شمار ہوگا جس نے اپنی بساطِ علم و عقل کی حد تک یہ جانتے اور سمجھتے ہوئے لا الٰہ الا اللہ کہا ہو کہ وہ کس چیز کا انکار اور کس چیز کا اقرار کر رہا ہے۔

ثانیاً، اس سے قانونِ شہادت کا یہ قاعدہ نکلتا ہے کہ گواہی کے لیے علم شرط ہے۔ گواہ جس واقعے کی گواہی دے رہا ہو، اس کا اگر اُسے علم نہیں ہے تو اس کی گواہی بے معنیٰ ہے۔ یہی بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فیصلے سے بھی معلوم ہوتی ہے۔ آپؐ نے ایک گواہ سے فرمایا کہ: اذا رأیت مثل الشمس فاشھد والا فدع (احکام القرآن للجصّاص) ”اگر تو نے واقعہ کو خود اپنی آنکھوں سے اس طرح دیکھا ہے جیسے تو سورج کو دیکھ رہا ہے تو گواہی دے ورنہ رہنے دے۔“

۶۹ — اس کے دو مطلب ہیں: ایک، یہ کہ اگر تم اِن سے پوچھو کہ خود اِن کو کس نے پیدا کیا ہے، تو کہیں گے کہ اللہ نے۔ دوسرے، یہ کہ اگر تم اِن سے پوچھو کہ اِن کے معبُودوں کا خالق کون ہے، تو یہ کہیں گے کہ اللہ۔

۷۰ — یہ قرآن مجید کی نہایت مشکل آیات میں سے ہے جس میں نَحْو کا یہ نہایت پیچیدہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وَ قِیْلِہٖ میں واؤ کیسا ہے اور اس لفظ کا تعلق اُوپر کے سلسلۂ کلام میں کس چیز کے ساتھ ہے۔ مفسرین نے اس پر بہت کچھ کلام کیا ہے، مگر کوئی تشفی بخش بات مجھے اُن کے ہاں نہیں ملی۔ میرے نزدیک سب سے زیادہ صحیح بات وہی ہے جو شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے ترجمے سے مُترشّح ہوتی ہے، یعنی اس میں واو عطف کا نہیں بلکہ قسمیہ ہے، اور اس کا تعلق فَاَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ سے ہے، اور قِیْلِہٖ کی ضمیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھرتی ہے، جس پر یٰرَبِّ اِنَّ ہٰۤؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا یُؤْمِنُوْنَ کا فقرہ صریح

QuranUrdu.com

دلالت کر رہا ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ:

قسم ہے رسول کے اس قول کی کہ ”اے رب! یہ وہ لوگ ہیں جو مان کر نہیں دیتے“، کیسی عجیب ہے اِن لوگوں کی فریب خوردگی کہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ ان کا اور ان کے معبودوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے، اور پھر بھی خالق کو چھوڑ کر مخلوق ہی کی عبادت پر اصرار کیے جاتے ہیں۔

رسول کے اِس قول کی قسم کھانے کا مدّعا یہ ہے کہ ان لوگوں کی یہ رَوِش صاف ثابت کیے دے رہی ہے کہ فی الواقع یہ ہٹ دھرم ہیں، کیونکہ ان کے رَوِیّے کا غیر معقول ہونا ان کے اپنے اعتراف سے ظاہر ہے، اور ایسا غیر معقول رَوِیّہ صرف وہی شخص اختیار کر سکتا ہے جو نہ ماننے کا فیصلہ کیے بیٹھا ہو۔ بالفاظِ دیگر یہ قسم اس معنی میں ہے کہ بالکل ٹھیک کہا رسول نے، فی الواقع یہ مان کر دینے والے لوگ نہیں ہیں۔

۸۷ – یعنی ان کی سخت باتوں اور تضحیک و اِستہزا پر نہ ان کے لیے بددُعا کرو اور نہ ان کے جواب میں کوئی سخت بات کہو، بس سلام کر کے ان سے الگ ہو جاؤ۔